5/ROP

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سکندر ذوالقرنین

شخصیت و زمانہ

73
29 MAY 1990

غلام ربانی

(ایم۔ اے۔ بی ایڈ عثمانیہ)

Acc. No.
431

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

سنہ اشاعت .... ربیع الاول ۱۴۰۸ھ م اکٹوبر ۱۹۸۸ء

تعداد اشاعت .... ایک ہزار

نام مؤلف .... غلام ربانی (یم-اے بی ایڈ عثمانیہ)

کتابت .... سید منظور محی الدین کلیانوی

مطبوعہ .... رفیق مشین پریس چارکمان حیدرآباد اے پی

قیمت .... سولہ روپے ۱۶

(ملنے کا پتہ)

A. NO. 431

فہرست

سلسلہ		صفحہ نمبر
۱	دیباچہ۔	۵
۲		
۳	آیاتِ قرآنی کے شانِ نزول کا پس منظر۔	۱۳
۴	ذوالقرنین سے متعلق قدیم تاریخی پس منظر۔	۱۶
۴ب	سفر ذوالقرنین کی جہتیں	۱۹
۵	ذوالقرنین اور سکندر اعظم مقدونی	۲۴
۶	لفظ سکندر اور شاہانِ ہند۔	۲۷
۷	ذوالقرنین اور سائرس اعظم۔	۳۱
۸	پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسول کی رائیں سکندر ذوالقرنین کے بارے میں	۳۲
۹	ما قبل ذوالقرنین کا سیاسی، وسماجی پس منظر۔	۳۵
۱۰	خلیفہ چہارم حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی نظر میں مقامِ ذوالقرنین	۴۵
۱۱	آیاتِ قرآنی اور ذوالقرنین۔	۴۹
۱۲	ذوالقرنین کا سفر اول جانب غرب الشمس۔	۵۳
۱۳	ذوالقرنین اور اہل ہند	۵۸
		۶۸
۱۴	ذوالقرنین کا سفر دوم جانب مطلع الشمس۔	۸۳
۱۵	ذوالقرنین کا تیسرا سفر جانب سدین (سوویٹ یونین)	۸۶
۱۶	قوم عاد ثانی کا مسکن۔	۸۸
۱۷	قوم عاد ثانی کا عالمی اقتدار اعلیٰ۔	۹۵

۱۸ لفظ ذوالقرنین کا تاریخی و مرادی مفہوم۔ ۹۴

۱۹ سدِ سکندری کی عظیم تعمیر۔ ۹۸

۲۰ سدِ سکندری کے مقاصد اور قدریں۔ ۱۰۴

۲۱ یوم قیامت حدیث نبوی کی روشنی میں۔

۲۲ چودھویں صدی اور قیامت اور اُس کے مہلک اثرات۔ ۱۲۰

۲۳ حدیث نبوی کی روشنی میں قیامت نیسویں [۲۳] صدی ہجری کے بعد قائم ہوگی۔

۱۲۹

۲۴ خلافت داؤدی۔

۱۳۷

۲۶ سقوط بیت المقدس

۱۳۹

۲۷ بابل کا بخت نصر

۱۴۷

۲۸ زوال بابل

۱[illegible]۲

۲۹ سائرس اعظم کیخسرو

۳۰ اہل یونان (سکندر اعظم مقدونی)

دیباچہ

ذوالقرنین شخصیت و زمانہ کے عنوان سے اپنی تحقیق کو عوام الناس کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ میں نے ذوالقرنین کی عظیم شخصیت پر اپنی تحقیق کو اس لئے ضروری سمجھا کہ اوّل یہ کہ آیاتِ قرآنی کا مفہوم ہم سب پر خوب سے خوب تر واضح ہو جائے۔ دوم یہ کہ وہ تمام رموز و نکات جو آیاتِ قرآنی کے مفہوم میں موجود ہیں جس حد تک خدا چاہے ہم سب کی سمجھ میں آجائے منشائے یزدی کو ہم سمجھ سکیں آیاتِ قرآنی میں اتنی گہری فصاحت و بلاغت موجود ہے کہ ایک سرسری مطالعہ سے مفہوم قرآنی تک پہنچنا بہت دشوار ہے جیسا کہ محدث علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے۔

قرآن کی تفسیر یقینی طور پر اس کا علم نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی جائے اور یہ بہت مشکل ہے سوائے چند تھوڑی آیتوں کے لہٰذا مُراد الٰہی کا استنباط چند نشانیوں و اشارات و دلائل سے ہو سکتا ہے اور اس میں یہ حکمت الٰہی مضمر ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اُس کی کتاب میں غور و فکر کریں اس واسطے وہ اپنے نبیؐ کو حکم نہیں دیا کہ آپ مُراد الٰہی پر تنصیص اور اسکی تعین کر دیں۔

علامہ سیوطیؒ کے ان فرمودات نے مجھے اس بات کا حوصلہ دیا کہ آیت اندیشہ فکر ہمارے لیے بہت بڑا قیمتی اثاثہ ثابت ہو سکتی ہے۔ بحیثیت ایک دینی طالب علم کے میں نے مختلف اقوام کے تواریخ کا مطالعہ کیا اہل ہند اہل ایران و دیگر متمدن اقوام کی

تاریخ کا ایک حد تک وسیع پیمانے پر مطالعہ کیا۔ لیکن ان تمام تواریخ میں مجھے حضرت ذوالقرنین کی شخصیت کی کوئی عمدہ جھلک نظر نہیں آئی۔ بعض مورخین کی شخصی رائیں جنہوں نے ذوالقرنین کی شخصیت میں دلچسپی لی میری نظر میں نہ جچیں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ذوالقرنین کی شخصیت سے واقف نہ ہو سکے۔ آیات قرآنی میں سورۂ مقدس آیتوں میں جس عظیم ہستی کا ذکر ہے وہ نیز اُن کے الفاظ قرآنی کو ڈکیے ہوں اُس شخصیت سے متعلق میری دلچسپی بڑھتی گئی شان نزول کا جب میں نے جائزہ لیا۔

تب ذوالقرنین کی شخصیت میں میری دلچسپی والہانہ حد تک بڑھ گئی چنانچہ میں نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ ذوالقرنین کی شخصیت کا سائنسی نقطۂ نظر سے ایک وسیع تجزیہ کیا جائے شانِ نزول مفہوم آیات قرآنی اور حضرت ذوالقرنین سے متعلق انبیاء وقت دانشوران بنی اسرائیل اور سب سے بڑھ کر آنحضرتؐ کا لطیف اشارہ اور حضرت علیؑ کا فصیح و بلیغ تجزیہ میرے مدنظر ہمیشہ رہا اور اسی پس منظر میں میں نے ذوالقرنین کی شخصیت اور زمانے کو تعین کی کوشش کی دوران تحقیق مجھ پر عجیب و غریب باتوں کا انکشاف ہوا۔ ایک انتہائی عمیق تحقیق نے مجھے حضرت ذوالقرنین کے دارالسلطنت تک پہنچا دیا۔ اس پہنچ سے قبل میں نے مُقتدر اعلیٰ حکومتوں کے قومی نشانوں پر بہت غور و فکر کیا۔ جس سے مجھے بڑا فائدہ پہنچا اور میں آسانی کے ساتھ اپنی منزل مقصود تک پہنچ پایا۔ میرا یہ مطالعہ قارئین کی خدمت میں دو جلدوں میں پیش ہوگا۔ "ذوالقرنین شخصیت و زمانہ" اور "ورثاء ذوالقرنین" ذوالقرنین کے بیان میں میں نے صرف ذوالقرنین کی شخصیت انبیاء و اولیاء کی آراء کی روشنی میں قرآنی پس منظر میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ سب سے پہلے میں نے آپ کی شخصیت کے متعلق نزاعی نظریات کی تجزیہ کی کوشش کی۔ ذوالقرنین کی شخصیت کے تعلق سے مورخین و محققین کی

لائے میں تضاد ذوالقرنین کے زمانے سے عدم واقفیت کی بناء پر پیدا ہوا اور یہ عدم واقفیت مفہوم قرآن کے ٹھیک طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی محققین کی پہلی غلطی سفر ذوالقرنین کے جہتوں کی تعین میں تھی۔

سفر ذوالقرنین کے جہتوں کا تعین سب سے اہم تھا جس کو اکثر محققین نے نظر انداز کردیا۔ سولہ آیاتِ قرآنی جو اپنے میں زبردست جغرافیائی تاریخی اور اسٹیٹ فلاسفی کے رموز و نکات سے معمور ہیں۔

عام طور پر سادہ لوحی سے اس کے مفہوم کو نظر انداز کیا گیا۔ ان آیاتِ قرآنی سے متعلق محققین اور بعض مفسرین کی رائیں سطحی ثابت ہوئیں۔ الغرض میں نے حتی الامکان کوشش کی کہ ان سولہ ۱۶ آیاتِ قرآنی کے جغرافیائی و تاریخی مفہوم کو عوام الناس کے سامنے پیش کروں بعض دانشوروں نے ذوالقرنین کی شخصیت کا اطلاق ایسے افراد پر بھی کیا جن کا زمانہ انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفوں کے بعد تھا۔ جبکہ انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفوں میں ذوالقرنین کی شخصیت کے تعلق سے واضح ہدایات موجود ہیں۔ قدیم کتب میں حضرت ذوالقرنین کی شخصیت کے داخلے کے باوجود بعد کے حکمرانوں پر ان کی شخصیت کی انطباق کرنے کی کوشش عجیب و غریب کوشش محسوس ہوئی مطلع الشمس اور مغرب الشمس کے واضح معنی و مفہوم مفسرین و محققین پیش کرنے سے قاصر رہے۔ جس کی وجہ سے بنیادی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔

جبکہ سورۂ یٰسین میں زمین کی مداری گردش اور سورۃ الکہف کی ذوالقرنین سے متعلق سولہ ۱۶ آیتوں میں زمین کی محوری گردش کا احوال بیان ہوا۔ اس ضمن میں ہمارا ایک تفصیلی مکتوب ہفت روزہ بلٹز مورخہ ۲ اگسٹ ۱۹۸۵ء عیدالاضحیٰ نمبر میں شائع ہوا۔ نیز اقوام قدیم۔ قوم عادِ ثانی جن کا اقتدار اعلیٰ عاد و ثمود کے بعد

زمین پر قائم ہوا۔

یاجوج وماجوج کا مفصل ذکر مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی میں موجود ہے۔ جو تاریخ نسلِ انسانی کے ایک بڑے تاریخی خزانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، دورانِ تحقیق تمدنِ ہند اور تمدن وتہذیب ہلالی کے عجیب وغریب روشن پہلو میرے سامنے واضح ہوئے جو انسانی تاریخ کے انمول خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ ورثاء ذوالقرنین کے بیان میں ہم ان تاریخی خزانوں پر سیر حاصل بحث لکھیں گے۔

ضمناً بر سبیل تذکرہ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا کے بیان کی مناسبت سے میں نے قیامت اور روزِ قیامت کے بارے میں ایک تفصیلی بحث لکھی ہے۔ اگرچہ اس بحث کا تعلق ذوالقرنین کی شخصیت سے نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ذوالقرنین نے اس عظیم الشان دیوار کے پاس اس بات کا اقرار کیا کہ جب میرے رب کا وعدہ آپہنچے گا۔ تب یہ دیوار ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ اس مناسبت سے میں نے یوم قیامت سے متعلق ایک بحث لکھی اور عالم اسلام کے بہت بڑے عالم حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور چند دیگر بزرگوں کی حدیث نبویؐ کی روشنی میں ایک استنباط پر مدلل بحث لکھی اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ چودہ سو برس گزرنے کے بعد قیامت کا قائم نہ ہونا صرف حدیث نبویؐ کے ایک غلط استنباط کی وجہ سے تھا اور دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قیامت حدیث نبویؐ کی روشنی میں تیئس سو ۲۳۰۰ سال بعد قائم ہو گی تاکہ تیرا سو ۱۳۰۰ یا تیرا سو پچاس سال بعد حدیث نبویؐ کے صحیح استنباط کی روشنی میں یوم قیامت کے قائم ہونے کیلئے مزید نو سو ۹۰۰ برس باقی ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب (اللہ ہی کو ہر چیز کا بہتر علم ہے)

میں قارئین کے سامنے انتہائی ادب کے ساتھ معذرت خواہاں ہوں کہ بعض بعض موقعوں پر قلم کو آگے بڑھنے سے روک لیا یہ اس وجہ سے ہوا کہ ہم ورثاء ذوالقرنین

متعلق قارئین کی دلچسپی کو بڑھانا چاہتے ہیں۔
قارئین اس بات پر حیرت و استعجاب کا اظہار ضرور کریں گے کہ تاریخ عالم میں پہلی بار ہم نے ذوالقرنین کے دارالسلطنت شہر صور اور ان کے ورثاء کا ذکر کیا ہے ہیں۔
شہر صور کا محل وقوع و جغرافیہ اور اس جغرافیائی نقطہ یا مقام کی تاریخی و اقتصادی اہمیت پر ہم مضبوط دلائل کے ساتھ ورثاء ذوالقرنین ہیں بڑا تفصیلی جائزہ لیں گے۔ کیونکہ شہر صور کا تجزیہ کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑا تفصیلی جائزہ اور تمام درکار ضروری تفصیلات عوام الناس کے سامنے پیش کرنے ہوں گے
غرض یہ کہ شہر بغداد خود دو عظیم دائروں کی شکل پر مشتمل ہے۔ جس میں اول الذکر دائرے میں آٹھ حفاظتی دائرے ہیں اور موخرالذکر دائرہ شہر صور کی اصل لبنی ہے۔ الغرض ہم پوری پوری کوشش کریں گے کہ ایک عمدہ تحقیقی کام ٹھوس اور مضبوط تاریخی دلائل کے ساتھ عوام الناس، دانشوروں اور دلچسپی رکھنے والے محققین و سربراہان کے سامنے پیش کریں گے۔ و نیز ہم بے حد ادب و انکساری کے ساتھ معذرت خواہ ہیں کہ ہمارے دعوی میں بہت بڑائی ہے۔ جس کا ہمیں ٹھیک اندازہ ہے کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ خدا قدوس سے توقع کرتے ہیں کہ اس تحقیقی کام کی ہمیں توفیق دے اور اس کو کامیابی سے ہم کنار کرے۔
ذوالقرنین شخصیت اور زمانے میں ہم نے ایک سرسری جائزہ تاریخ نسل انسانی پیش کیا کہ ماقبل ذوالقرنین کن اقوام کا اقتدار اعلیٰ تھا اور مابعد ورثاء ذوالقرنین زمین پر کن اقوام کا اقتدار اعلیٰ تھا اور مابعد ورثاء ذوالقرنین

زمین پر کن اقوام کا اقتدار اعلیٰ قائم ہوتا رہا۔ اگرچیکہ یہ بات غیر متعلقہ معلوم ہوتی ہے۔ لیکن تاریخ کے طالب علموں کے لئے ایسا مطالعہ ہماری نظر میں بے حد ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اسی غرض سے ہم نے ورثاءِ ذوالقرنین کے بیان کو مختصر انداز کرتے ہوئے دانستہ طور پر خلافت داؤدی، سلطنت سلیمانی۔ بابل کے بخت نصر، ایران کے سائرس اعظم۔ یونان کے سکندر اعظم اور سلطنت روم خلافت اسلامیہ کا ایک مختصر جائزہ اس کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اُمید کہ قارئین ہماری علمی کوتاہیوں و زیادتیوں کو نظر انداز کریں گے۔ اور اپنی ذاتی کوشش سے اُس مثبت پہلو کو اُجاگر کریں گے۔ جس کو اُجاگر کرنا اس تحقیق کا مقصد عین ہے۔

آمین ثمہ آمین

آپ کا مخلص
غُلام ربّانی
(ایم اے بی ایڈ عثمانیہ)

غلام ربانی ایم۔ اے۔ بی ایڈ (عثمانیہ)
مکان نمبر 17 - 3 - 429
بیرون یاقوت پورہ اپلی بن
حیدرآباد۔ اے۔ پی
500023

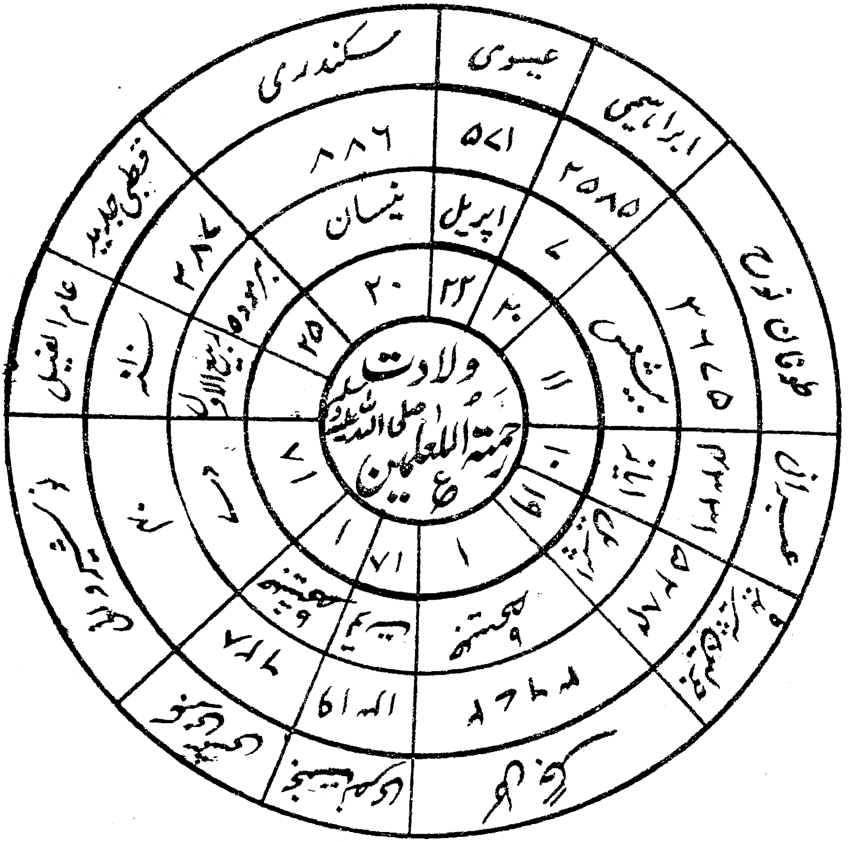

نوٹ: قارئین کی دلچسپی کے لئے رسول مقبول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش مختلف سنہ تواریخ میں پیش کی گئی۔

ذوالقرنین شخصیت اور زمانہ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
سَیِّدِی الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَمَنْبَعِ الْعِلْمِ
وَالْحِکَمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

آیاتِ قرآنی کے شانِ نزول کا پس منظر

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کو مکہ مشرفہ میں ساتویں صدی عیسوی کے ابتداء میں عرب مستعرب یعنی آل اسماعیل و نیز تمام اقوام عالم کے سامنے پیش کیا۔

آپ کے پیغام حق کی مخالفت بتدریج بڑھتی رہی جُوں جوں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا دائرہ بڑھتا رہا مخالفت کا دائرہ بھی اُسی رفتار سے بڑھتا رہا۔

پیغمبر خُدا کی ذاتِ بابرکت نے بذاتِ خود تمام اقالیم کے حکمرانوں کو اپنا پیغام حق بذریعہ فرمانِ رسالت بابانگ دہل پہنچایا قوم قریش جو کہ دُنیا کی دوسری بڑی عالمی شاہ راہ و تجارت پر قابض تھی ملک شام و بلادیمن میں بڑا اثر و رسوخ رکھتی تھی۔ قریش کے بڑے بڑے تجارتی قافلے بحر ہند کے متعلقہ ممالک کی اشیاء تجارت و مصنوعات پوری آزادی کے ساتھ ملک سبا یعنی ملک یمن سے سواحل روم تک پہنچاتے خلافت داؤدی و سلطنت سلیمانی کے زمانے سے جبکہ یروشلم کی حیثیت عالمگیر مرکز کی سی تھی مکہ مُشرفہ سے گزرنے والے اس عالمگیر شاہراہ کی اہمیت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا حضرت سیّدنا سلیمانؑ جو دُنیا کے سب سے عظیم ترین حکمران تھے آلِ اسماعیل کے تعلق سے خصوصاً قریش کے قبیلے کے تعلق سے جو اُن کے مورثِ اعلیٰ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے اولاد سے تھے بہت ہی نرم گوشہ اپنے دل میں رکھتے تھے۔

عرب مستعربہ میں قریش کی سرداری مسلّمہ تھی چنانچہ حضرت غالب جو حضرت سلیمانؑ کے ہم عصر تھے بحیثیت سردار قریش حضرت سلیمانؑ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اور انتہائی عزت و احترام و مراتب سے سرفراز ہوئے الغرض عرب مستعربہ میں قبیلہ قریش بے حد معزز اور قابل احترام سمجھا جاتا تھا۔ اس قبیلہ کے سرداروں کی رسائی بحیثیت سرداران قوم عرب مشرق و مغرب کے حکمرانوں کے درباروں تک تھی۔

رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی دورِ تبلیغ میں سرداران قریش نے اسکو ایک نوجوان کا غیر معمولی عزم و حوصلہ سے تعبیر کیا اور اس بات کو نظر انداز کر دینا چاہا لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و استقلال اور پیغام حق کی حقانیت نے انھیں بتدریج بے حد متفکر کر دیا بالآخر وہ آپ کے درپے آزاد ہوئے آپ پر شدید ظالم ڈھانے لگے لیکن سید المرسلین کے پایۂ ثبات میں کوئی فرق نہ آیا آپ دین اسلام کی تبلیغ کو شدید نامساعد حالات میں جاری رکھے

بتدریج عرب کے ذہین و عالی دماغ نوجوان آپؐ کی طرف رجوع ہونے لگے اور آپؐ کا پیغام حق قریش کے اشراف گھرانوں کے چشم و چراغوں کو روشن کرنے لگا۔

ایسی صورتِ حال سے گھبرا کر رسولِ عربیؐ سے سرداران قریش نے سودا کرنا چاہا چنانچہ باہمی صلاح و مشورے کے بعد عتبہ نامی سردار آگے بڑھا اور بڑی لجاجت نرمی و جوش سے کہنے لگا۔

کیا آپ میری سنیں گے رسول اکرمؐ نے جواب دیا کہو ابوالولید میں سننے کو تیار ہوں

ابوالولید: آپ ہمارے معبودوں کی برائی اور نیا دین پھیلانے کی دوڑ دھوپ روپے پیسے کیلئے کر رہے ہوں تو بیکار پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ لات و عزیٰ کی برائی چھوڑ دیجیے آپ باپ داداؤں کے دین کے خلاف کچھ نہ کہئے۔

ہم آپ کو اتنی دولت فراہم کر دیں گے کہ مکہ میں کوئی امیر آدمی آپکی برابری نہ کرے اگر آپ سردارِ قوم بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانے تیار ہیں۔ اگر آپ کسی صاحب حسن جمال سے شادی کرنا چاہتے ہیں ہم کو یہ بھی منظور ہے۔

رسول اللہ نے اُن کے جواب میں حٰمٓ سجدہ کی آیتیں تلاوت فرمائیں اور جب آپ سجدہ کے مقام پر پہنچے آپ نے سجدہ کیا پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا تم نے سنا یہ تمہاری بات کا جواب ہے تمام مجمع پر اس واقع کا گہرا اثر ہوا۔ اس صورت حال سے گھبرا کر سردارانِ قریش آپ کے شفیق و عزیز چچا حضرت ابو طالب سے رجوع ہوئے محترم چچا نے قوم کی ناراضگی اور پیش کش پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا۔

فرزند! مجھ پر اتنا بوجھ مت ڈالو کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔

پیغمبر خدا بے حد ملول ہوئے فرمایا محترم چچا۔

"اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دیا جائے۔ تب بھی میں تبلیغ دینِ اسلام ترک نہیں کر سکتا۔

اس غیر متوقع جواب نے پوری قوم قریش کو مایوس کر دیا۔ بعض سطحی سمجھ بوجھ رکھنے والے مخالفین نے آپ کے تعلق سے گستاخانہ رائے قائم کر لی برخلاف اس کے سردارانِ قریش کے بعض سیانوں نے جو مخالفت دین حق میں یکتا تھے ایک نئی راہ نکالی چنانچہ ان سرداروں نے متفقہ باہم صلاح و مشورے کے بعد یہ رائے قائم کر لی کہ دیگر اہل کتاب صاحب الرائے افراد سے مشورہ کر کے انتہائی اونچی سطح کے ایسے اونچے سوالات پیش کئے جائیں جن کا جواب صرف اُن کی اپنی دانش میں صرف پیغمبرانِ خدا ہی دے سکتے ہوں۔ چنانچہ اہل کتاب کے اونچی سطح کے علماء سے مشورہ کیا گیا اور باتفاق چند سوالات مرتب کئے گئے جو رسول عربی کے سامنے پیش کئے گئے اُن سوالات میں سے ایک سوال حضرت ذوالقرنین کے بارے میں تھا۔ جو اُس زمانے میں کئی اہم تاریخی سوال تھا اور جن کی شخصیت پراسرار کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

ذوالقرنین اور قدیم تاریخی پس منظر

سکندر ذوالقرنین کی شخصیت حالات زمانہ اور مقام کی وجہ سے بیحد پیچیدہ بن چکی تھی۔ متعدد بادشاہوں نے جب بھی زمین پر غلبہ یا اقتدار قایم کیا اس لقب کو اختیار کیا تاکہ اپنے ہمعصر حکمرانوں پر اپنے اقتدار کا رعب و دبدبہ قائم کرسکے چنانچہ ایسے افراد کی کمی نہیں تھی جو شاہانِ ایران کو ذوالقرنین قرار دیتے اہل عرب خود بھی سے متعدد بادشاہوں کو ملکِ یمن و عراق کے ذوالقرنین قرار دیتے وہ عرب جنکے روابط اہل یونان سے سواحل رُوم پر تھے یہ دیکھتے تھے کہ یونانی حکمران متعدد بار لفظ سکندر کو بطور لقب اختیار کرچکے تھے الغرض علمائے یہود نے اس سوال کی ترغیب سردارانِ قریش کو دی، تاکہ وہ جان پائیں کہ ذوالقرنین کون تھے۔ انقلابات زمانہ تہذیب وتمدن کے بیشتر مراکز کی تباہی تہذیب بابل تہذیب ہند تہذیب فلسطین (یروشلم) تہذیب ہلالی، تہذیب یونان کی تباہی نے تاریخ کے تسلسل اور رشتے ناتوں کو منتشر کردیا تھا۔ سلطنتِ روم اور کسریٰ ایران میں شدید معرکہ آرایاں عالمی اقتدار اعلیٰ کے لیے جاری تھیں سلطنت روم کسریٰ ایران کے غلبہ و تسلط سے دہشت زدہ تھی بنی اسرایل یروشلم کی حکمرانِ بابل بخت نصر کے ہاتھوں تباہی و بربادی کے بعد بابل، ایران و یونان کی سرزمینوں میں بکھر گئے تھے سائرس اعظم کے خسرو نے اہل یہود کو بابل والوں کی غلامی سے نجات دلادی تھی اور وہ پھر سے فلسطین میں

آباد لیکن ارض مقدس کی باز آبادکاری اُن کے بس کی بات نہ رہی یونانی اور رومی اقتدار کی کشمکش نے تمام سواحل روم کی اقوام میں تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں پر مضر اثرات مرتب کئے نتیجتہً انسانی تاریخ کا تہذیبی ورثہ جو ہمارا معلوم ماضی ہے تاریکیوں میں چلا گیا ہم اپنے معلوم ماضی کے تجربات کی روشنی میں نامعلوم مستقبل کی طرف صحیح رہنمائی حاصل کر پاتے ہیں جس کی مدد سے ہم بہت سے صحیح فیصلے کر پاتے ہیں۔

مقدس قرآن کی سورۃ الکہف میں قریش کے تین کے منجملہ دو کا جواب دیا گیا۔ قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ان سورتوں میں ایک سورت کا نام سورۃ الکہف ہے یوں تو پیغمبر خدا نے بکثرت تلاوت کلام پاک کی تاکید فرمائی اسکی سورت ایک خاص شانِ نزول رکھتی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام امت کے لوگوں کو روز جمعہ جو عید المومنین قرار دیا گیا ہے سورۃ الکہف کی تلاوت کی خاص تاکید فرمائی ہے۔ اس سورت کی خاص بات یہ ہے کہ اس سورت میں کثرت سے صالحین کا ذکر آیا ہے وہ نیز اس میں ایسے لوگوں کے احوال بیان ہوئے ہیں جو نبی نہیں تھے جو خدا کے محبوب و مقرب بندے تھے۔ ان بندوں کے مختلف اعمال صالحہ جو اللہ تعالیٰ کو پسند تھے بیان کئے گئے ہیں اس سورت کی ابتدا میں قریش کے دوسرے سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ اصحاب کہف کون تھے اصحاب کہف کے واقعہ اور ان کی تعداد سے متعلق حکمت بیان کی گئی ہے جبکہ قریش کا پہلا سوال روح کے متعلق تھا کہ روح کیا چیز ہے مقدس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے جواب دیا روح امر ربی ہے۔ وہ نیز اس سورت میں ناعاقبت اندیش باغ والوں کا ذکر کیا گیا [illegible] آیاتوں میں سرمایہ دارانہ پسند اور اشتراکیت پسند دو گروہوں کا ذکر پھر حضرت موسیٰؑ اور حضرت خواجہ خضرؑ کا بیان ہوا ہے ان انبیاء و صالحین کے

ذکر کے بعد خدا تعالیٰ اپنے نبی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راست مخاطب فرماتا ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْن آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے پھر خدا تعالیٰ توقف فرماتا ہے اور یہ کہتا ہے ہم عنقریب ان کے احوال بیان کریں گے۔ نزول قرآن کے ساتھ ہی تمام دانشوران عالم کے کان اس واقعہ کی طرف لگ گئے دیکھو محمد عربیؐ کی مبارک و صادق زبان سے قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن میں شتاب کا لفظ اس لئے استعمال ہوا ہے کہ خدا قدوس علم سے نام نہاد دانشوروں کو نزول قرآن کے بعد آزمانہ چاہتا تھا جو صرف حضرت ذوالقرنین متعلق روایتی واقعات کو اپنی تاریخ دانی اور اپنی دانشوری پر محمول کر رہے تھے۔

خدائے قدوس نے ان کے سامنے کلام ربانی کی فصاحت و بلاغت کے ذریعہ اپنے نبی اُمی کے علم کی مہر ثبت کر دی اور انہیں دعوت فکر دی کہ آؤ تم سب ملکر کلام ربانی کے معنے و مفہوم ہی کو سمجھ پاؤ وہ عقلیں جو اپنی دانش پہ نازاں تھیں آیات قرآنی کے مفہوم کو سمجھنے سے عاجز تھیں وہ کیا حضرت ذوالقرنین کی شخصیت کو سمجھ پاتے ہیں۔ مقدس قرآن میں حضرت ذوالقرنین کے بارے میں سولہ[16] آیات نازل ہوئیں جن میں اُن کے مفصّل احوال بیان ہوئے شان نزول میں پہلی والی آیاتیں حضرت ذوالقرنین کے مقام اور اُن کے مفصّل احوال بیان ہوئے شان نزول میں پہلی والی آیاتیں حضرت ذوالقرنین کے مقام اور اُن کے وسائل پر روشنی ڈالنے والی و نیز و سفر ذوالقرنین کی جہتیں بیان ہوئیں جن میں بقاء اور ارتقاء کے بعض خفیہ رموز پوشیدہ ہیں ان آیات کے سائنسی تجزیہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اہم تاریخی و جغرافیائی حقیقتیں ہیں اور انتہائی اونچے رموزِ مملکت ان سولہ آیاتوں میں انتہائی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ بیان ہوئیں۔

سفر ذوالقرنین کی جہتیں

مفسرین اور اکثر محققین نے حضرت ذوالقرنین کی شخصیت اور زمانے کی تعین میں جو سب سے پہلے بنیادی غلطی کی وہ یہ ہے کہ سفر ذوالقرنین کی جہتیں مقرر کرنے میں وہ قطعی ناکام ہوئے بیشتر محققین نے آیات قرآنی کے مفہوم سے غلط رائے قائم کری آیاتِ قرآنی کے لفظ مَغْرِبَ الشَّمْسِ سے اُنہوں نے غروب آفتاب کے اپنے مروجہ معنے لیئے اور ذوالقرنین کے سفر کی منزلوں کو جانب مغرب تلاش کیا جس کی وجہ سے اِن سب ہی کو سخت مایوسی اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ جبکہ آیاتِ قرآنی کے بموجب "پس وہ چلا پیچھے ایک راہ کہ یہاں تک کہ پہنچا جگہ ڈوبنے سورج کے اور پایا اسکو ڈوبتا تھا۔ بیچ کیچڑ چشمہ کے اور پایا نزدیک اُس کے ایک قوم کو" پھر دوسری آیت "پھر اور راہ کہ یہاں تک کہ جب پہنچا جگہ سورج کو پایا اُس کو نکلتا ہے اوپر ایک قوم کہ نہیں کیا واسطے اُن کے ورے اس سے پردہ"

آیات مندرجہ بالا کہ سائنسی تجزیہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "سکندر ذوالقرنین کا پہلا سفر بلادِ ہند سے ہوتے ہوئے مانسونی خطہ ارض میں بحرالکاہل تک تھا اور آپ کا دوسرا سفر ریگستان عرب اور صحرائے اعظم افریقہ کی سمت تھا۔ جبکہ آپ کا تیسرا سفر کوہ قاف کے اُس پار موجود سوویت علاقوں میں جانبِ شمال تھا۔ آیاتِ قرآنی کی روشنی میں روزِ ازل سے ہی ہماری زمین کی محوری

گردش مغرب سے مشرق جانب چل رہی ہے لیکن زمین پر بسنے والوں کو ہمیشہ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ سورج مشرق میں طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہوتا ہے لیکن عملی طور پر گردش زمین کا عمل یہ بات بتلاتا ہے کہ طلوع آفتاب کا عمل حقیقی طور پر مغرب ہی کی سمت میں ہمیشہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ نتیجتہً ولازماً غروب آفتاب کا عمل مسلسل مشرق میں جاری رہتا ہے زمین ایک گول کرہ ہے جس پر ہمیشہ نصف کرہ پر دن اور نصف حصہ پر رات ہوتی ہے۔ چنانچہ قدرتی طور پر جس کی تائید مقدس آیات قرآنی بھی کرتی ہیں۔

"مکہ مشرفہ پر پڑنے والی کرن آفتاب سے جو یکساں طور پر مدینہ رسول اور تقریباً قبلہ اول پر بھی یکساں پڑتی ہیں روئے زمین پر دن کا آغاز ہوتا ہے۔ اور یہ سفر آفتابی مشرقی کرۂ ارض سے مغربی کرہ کی طرف جاری رہتا ہے۔ اور جب سورج السوئی خطہ ارض پر بلاد ہند پر آتا ہے۔ یہ سفر آفتابی اپنا ایک چکر مکمل کر لیتا ہے یا یوں کہئے کہ زمین اپنی ایک محوری گردش یوں پوری کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات قرآنی میں غروب آفتاب کا مقام اور طلوع آفتاب کا مقام بتلایا گیا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ اہل عرب گذشتہ چودہ سو سال سے عید پہلے مناتے ہیں اہل ہند سب سے آخر میں ان دونوں کے درمیان چوبیس ۲۴ گھنٹے کا فرق موجود رہتا ہے اس سلسلے میں شمسی مہینوں کا مطالعہ بھی باعث دلچسپی ہوگا کیونکہ شمسی مہینوں کے حساب سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ دن کا آغاز مکہ مشرفہ سے ہوتا ہے۔ دلیل کے طور پر ہم مختلف اقوام کے سال نو کے تقاریب کا تقابل پیش کرتے ہیں۔ عیسوی سال نو پہلے نصف مشرقی کرۂ ارض پر منائی جاتی ہے جو ماہ جنوری میں واقع ہوتی ہے جبکہ سالِ رفاقی جمہوریہ جرمنی و دیگر رومن علاقوں میں

اکیس ۲۱ مارچ کو منایا گیا جبکہ بلادِ ہند میں اہلِ ہند نے شمسی سال نو یعنی اُگادی بائیس ۲۲ مارچ کو منائی اور یہ عمل گزشتہ تین ہزار سال سے مسلسل اسی فرق کے ساتھ چلا آرہا ہے شمسی سال نو یا عید مہرگان یا اُگادی پر ہم قارئین کو اپنی تحقیقی معلومات آگے کے مقالوں میں پیش کریں گے کہ عید مہرگان کی اصل کیا ہے اس کا اصلی تاریخی پس منظر کیا ہے نصف مشرقی کرہ ارض پر یہ کب سے منائی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

الغرض بعض مرتبہ اہلِ ہند اُگادی یعنے شمسی سال نو کی تقاریب مقررہ دن سے ہٹ کر مناتے ہیں وہ ایسا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ شمسی و قمری مہینوں میں پیدا ہونے والے فرق کو دور کرنا اسکا مقصد ہوتا ہے جسکو وہ ادھیک ماس یعنے زاید مہینہ کہتے ہیں۔

عید کی تواریخ میں پایا جانے والا یہ فرق مکمل ایک دن کا ہوتا ہے یعنی اہلِ مغرب ۲۱ مارچ کو سال نو مناتے ہیں جبکہ اہلِ ہند 22 مارچ کو شمسی سال نو مناتے ہیں دونوں تواریخ میں مکمل ایک دن کا فرق پایا جاتا ہے۔

یعنی مکہ معظمہ کے اس پار شمسی سال نو ایک دن پہلے منایا گیا جبکہ اہلِ ہند نے ایک دن بعد منایا۔ قرآن کی سورۃ یٰسین میں زمین کی مداری گردش اور اسکے حکمتوں کو بیان کیا گیا۔

جبکہ سورۃ الکہف میں حضرت سکندر ذوالقرنین کی سفر کی جہتیں بتلاتے ہوئے انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ زمین کی محوری گردش پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سرداران قریش اور ان کے حلیف ان آسمانی ہدایتوں کو سمجھنے سے قطعی قاصر تھے۔ ذوالقرنین سے متعلقہ 16 آیات میں علم جغرافیہ علم تاریخ اور رموز مملکت سے متعلق چند اونچے نکات بیان کئے گئے ہیں وہ نیز ان آیات میں اقوام قدیم کا

ذکر ہے مثلاً قوم عاد ثانی اور اولادِ سام بن نوح (اقوام ہند و عرب) اولادِ حام افریقی اقوام اولادِ یافث (یاجوج ماجوج) وغیرہ کا بیان آیا ہے۔

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی میں کرۂ ارض کے مانسونی خطۂ ارض ریگستانی خطۂ ارض اور کوہستانی خطۂ عرض و نیز ایک اہم لفظ حَامِئَۃ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ ذو معنیٰ ہے جیسا کہ ابنِ عباسؓ اور امیر معاویہؓ اس لفظ کا تلفظ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

ابن عباسؓ اس سے مراد پانی کیچڑ یا کالی مٹی کے لیتے ہیں جبکہ امیر معاویہؓ اس لفظ کے معنیٰ گرم چشمہ پانی کے بتلاتے ہیں جبکہ ہر دو بزرگوں کا لفظی معنویت سے متعلق استدلال عین حق ہے۔ اگر ہم کالی مٹی کے علاوہ اگر اس لفظ کا ایک مفہوم امیر معاویہؓ کے مفہوم کے مطابق گرم چشمہ پانی کے لیں تو ایک ایسی حقیقت پر اس سے روشنی پڑتی ہے کہ جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سمندروں میں دو طرح کی سمندری لہریں پائی جاتی ہیں ایک سرد سمندری لہر دوسری گرم سمندری لہر اگر ہم حَامِئَۃ کے معنیٰ گرم چشمہ کے لیں۔ پس تو ایک اہم جغرافیائی نکتہ پر مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی سے روشنی پڑتی ہے کہ گرم سمندر اور سرد سمندروں کا بیان۔ نیز قرآن میں احوالِ سمندر بھی بیان کئے گئے ہیں۔

سمندروں اور خشکی کے ان رموز کے علاوہ سدِ سکندری کی تعمیر سے متعلق آیاتِ قرآنی میں فلسفۂ مملکت اور رموزِ مملکت پر انتہائی اہم نکات بیان کئے گئے ہیں۔ نیز ان ہی آیات میں رب اور بندے کے ایک اہم ربط پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان تمام رموز پر ہم آگے کے مضمون میں آیاتِ قرآنی کے مفہوم کے ساتھ تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔

علمِ جغرافیہ علمِ تاریخ فلسفۂ مملکت سے متعلق یہ انتہائی اہم نکات

سرداران قریش اور ان کے حلیفوں کے سمجھ بوجھ سے قطعی طور پر بالاتر تھے۔ خدا علیم وکبیر نے اپنے غالب علم سے ان سب کو ایک لخت شرمندہ کر دیا کہ اُمّی رسول عربیؐ کے سامنے انکی حیثیت خس وخاشاک سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اس عظیم شان نزول والے اس پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد ہم عصر جدید کے چند محققین کے رایوں کو ذوالقرنین کے بارے میں پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

بدقسمتی سے اکثر و بیشتر محققین نے اپنی ذہنی تحفظات کے پیش نظر حضرت ذوالقرنین کی شخصیت کو تعین کرنے کی کوشش کی اور دانستہ یا نادانستہ طور پر حضرت ذوالقرنین سے متعلق واضح آیاتِ قرآنی کے باوجود ذوالقرنین کی شخصیت اور زمانے کے تعین میں کوتاہیاں کیں۔

ذوالقرنین اور سکندر اعظم مقدونی

مثلاً ایک مکتب فکر نے ایک بڑی کوشش سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سکندر اعظم مقدونیہ ہی سکندر ذوالقرنین تھے اس سلسلے میں ان کی تحقیق اتنی سطحی رہی کہ اس پر یقین تو کجا قیاس و گمان بھی ممکن نہیں ہو سکتا اس نظریہ کا وسیع پیمانے پر علمی نقطۂ نظر سے تجزیہ کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ سکندر ذوالقرنین کا کوئی تعلق یونانی سکندر اعظم سے ثابت نہیں کیا جا سکتا زمانے کے اعتبار سے تاریخی حقائق کی روشنی میں سکندر ذوالقرنین اور یونانی سکندر اعظم کی شخصیتیں دو علیحدہ علیحدہ قرار پاتی ہیں ان دونوں کے حالات واقعات اور زمانوں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔

یونانی سکندر اعظم کا زمانہ تین سو بتیس قبل مسیح کا ہے۔ جبکہ حضرت سکندر ذوالقرنین کا زمانہ سیدنا داؤد خلیفۃ اللہ سے سولہ سو سال قبل کا ہے۔ سیدنا داؤد خلیفۃ اللہ کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال قبل مسیح کا ہے یعنی ذوالقرنین دو ہزار چھ سو آٹھ (۲۶۰۸) سال قبل مسیح کے زمانے میں گزر چکے تھے اور آج کے دور سے تقریباً چار ہزار چھ سو سال قبل دوم یہ کہ سکندر ذوالقرنین کی عمر ایک سو ساٹھ سال قمری یا ایک سو پچاس سال شمسی کے قریب تھی جبکہ یونانی سکندر اعظم کی عمر صرف بتیس سال تھی۔ انھوں نے صرف چھ سال بحیثیت حکمران مشرق وسطیٰ کے پائے سکندر ذوالقرنین کی

مملکت آیاتِ قرآنی کی روشنی میں تمام روئے زمین پر اور آپ کا اقتدارِ اعلیٰ سمندروں اور فضا میں قائم تھا۔ جبکہ یونانی سکندرِ اعظم کی حکومت دریائے نیل سے دریائے سندھ تک تھی حضرت ذوالقرنین نے اپنی زندگی کے طویل عرصے سے فائدہ اٹھا کر ایک عظیم دیوار سدِّ سکندری تعمیر کی تھی وہ نیز سکندر ذوالقرنین نے چند عظیم الشان شہر تعمیر کروائے مثلاً مصر میں اسکندریہ کی بندرگاہ شہر یروشلم بندرگاہ کراچی وغیرہ۔ اپنی دونوں مملکتوں بلادِ ہند اور بلادِ چین میں دو عظیم الشان دارالسلطنت بنوائے۔ جبکہ یونانی سکندرِ اعظم شہر بابل کے کھنڈرات کے بارے میں ہی معلومات حاصل کرتے رہے اور ایسی مقام پر انتہائی نوجوانی کے عالم میں اس دارِ فانی سے عالمِ بالا کو چلے گئے۔

سکندرِ اعظم یونانی تاریخ مقدونیہ کا تیسرا حکمران تھا اس بات کو عصرِ جدید کے مغربی اسکالروں نے بھی انتہائی ٹھوس دلائل کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچایا ہے۔ یونانی سکندرِ سوم نے ایران کے دارائے سوم سے مقابلہ کیا اور دارائے سوم کو شکست فاش دی اور اسکی تمام مملکت کو دریائے سندھ تک اپنے قبضہ میں لایا یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ دریائے سندھ پر کیخسرو سائرس اعظم کے زمانے سے ایرانیوں کا قبضہ چلا آرہا تھا۔

تاریخ میں یونانی سکندرِ سوم سے قبل دو اور حکمران سکندرِ اول سکندرِ دوم کا لقب اختیار کر چکے تھے۔ اسی طرح سائرس اعظم کے جانشینوں نے دارائے اوّل و دارائے دوم اور دارائے سوم کا لقب اختیار کیا۔ سائرس اعظم کے خرد کے جانشینوں نے اپنے کم علمی کی وجہ سے دارا کا لقب اختیار کیا۔ وہ تاریخ انسانی میں سائرس اعظم کے مرتبے کو سمجھ نہ سکے اور بے علمی سے زمان اور مکان کا خیال کئے بغیر صرف نقل کے طور پر دارا کا لقب اختیار کر گئے۔ ان کے سپاہی حریف اہلِ یونان نے

ان کی اس علمی کمزوری کا پورا پورا اندازہ کر لیا اور انھوں نے اپنے حکمرانوں کو سکندر کے لقب اختیار کرنے کی ترغیب دی اس عنوان پر ہم تفصیلی بحث ورنہ ذوالقرنین میں لکھیں گے۔

مقدس قرآن میں سکندر ذوالقرنین کو ذوالقرنین کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

جبکہ یونانی سکندر اعظم کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ یا موقع نہیں جہاں پر اسکو ذوالقرنین کے لقب سے یاد کیا گیا ہو الغرض تاریخ یونان کے تیسرے سکندر کو اگر کوئی سکندر ذوالقرنین قرار دینے کی کوشش کرے تو یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ تاریخ یونان کے پہلے دو سکندر کون تھے

ان حقائق کے مطالعہ سے یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے کہ تاریخ یونان کا سکندر اعظم، قرآنی سکندر ذوالقرنین قطعی نہیں تھے۔

لفظ سکندر اور شاہان ہند

حضرت ذوالقرنین کے نام سکندر کو

تاریخ ہند کے تین شہنشاہوں نے اور دو سپہ سالاروں نے بطور لقب اختیار کیا۔ تاریخ ہند کے تین شہنشاہوں میں (۱) گپت خاندان کے شہنشاہ سکندر گپت تھے (۲) دہلی کے حکمراں سلطان علاؤالدین خلجی نے سکندر ثانی کا لقب اختیار کیا (3) لودھی خاندان کے حکمراں سکندر لودھی نے یہ لقب اختیار کیا۔ مندرجہ بالا تین شہنشاہوں کے علاوہ ماضی بعید کے زمانے میں بلاد ہند کے بے مثال سپہ سالار کارتک نے جو دیوی درگا کے فرزند تھے سکندر کا لقب اختیار کیا یہی وجہ ہے کہ دیوی درگا۔ کا ایک نام اسکندماتا بھی ہے۔ کارتک کے سکندر کا لقب اختیار کرنے کو اس زمانے کے اہل ہند کے تمام دانشوروں نے سوئے ادب خیال کیا اور اسکو سخت ناپسند کیا۔ بلکہ اس کی مذمت پر اتر آئے اور اس کا لقب اسکندا کے بجائے مرگا مشہور کر دیا۔

ماضی قریب میں سلطنت مغلیہ کے عظیم سپہ سالار خانوادۂ آصفی کے روشن چراغ نے اپنے ولی نعمت سے اپنی خصوصی خدمات کے عوض میں سکندر جاہ کا لقب پایا اور اسی نام سے ایک شہر بھی سرزمین دکن پر بسایا جو آج تک بھی سکندرآباد کے نام سے مشہور و معروف و انسانوں سے معمور ہے۔

مندرجہ بالا حکمرانوں کے علاوہ تاریخ ہند کے اور بھی اعتدال پسند حکمرانوں نے

ذوالقرنین کی شخصیت میں بے پناہ دلچسپی تھی۔ خاص طور پر ان کی دلچسپی حضرت ذوالقرنین کی بلادِ ہند سے گہری وابستگی اور خصوصاً اُن کے دارالسلطنت کی کھوج سے وابستہ تھی۔ تاریخ ہند کا یہ عظیم المیہ ہے کہ ان حکمرانوں میں سے کوئی بھی حضرت ذوالقرنین کے دارالسلطنت کی کھوج نہ کر پایا۔ گپت حکمران سمدر گپت نے ایک عظیم تحقیقاتی مہم ایک حیلے سے اختیار کی اور اس مہم کی قیادت بہ نفس نفیس خود کی اُس کے بعد اُس کے فرزند چندر گپت بکرما دتیا نے بالآخر مجبور ہو کر اُجین بسایا ممکن ہو یہ اُس کا علمی مغلطہ ہو اُس کے بعد اُس کے فرزند نے سکندر گپت لقب اختیار کیا اور ذوالقرنین کے دارالسلطنت کی تحقیق میں لگا۔ لیکن اسکو کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ خلجیوں کے بعد محمد بن تغلق نے اِس مسئلہ میں بے پناہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور غلط فہمی میں خواجہ جہاں کے مشورہ سے جو دیوا گری کا ایک معزز شہزادہ تھا نیز خود محمد بن تغلق کا داماد بھی تھا کے مشورے سے دیواگری کو دولت آباد کے نام سے اپنا دارالسلطنت بنایا۔ محمد بن تغلق کو اپنے مغالطے کا احساس ہو چکا تھا چنانچہ اس نے اپنی زندگی میں اسکی اصلاح کرلی اور واپس دہلی لوٹ آیا۔ لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی سلطنت دہلی کا لامحدود سرمایہ ایک غیر موزوں اور غیر صحیح مقام پر لگ چکا تھا اور تقریباً ضائع بھی ہو چکا تھا۔ اس کے مہلک اثرات بتدریج تغلقوں کو بھگتنے پڑے۔

ہند میں قومی اقتدار اعلیٰ:۔ اکبر اعظم نے دہلی میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی اور اپنے پیش رو حکمرانوں کے برخلاف انھوں نے بلادِ ہند میں ایک قومی حکومت کے قیام کا منصوبہ بنایا چنانچہ انھوں نے سابقہ دہلی کے سلاطین کے برخلاف سلطان کا لقب اختیار نہیں کیا اور نہ ہی خلافت اسلامیہ عثمانیہ سے سند توثیق کے متمنی ہوئے جبکہ آپ کے پیشرو حکمران اس امر کو ناگزیر سمجھتے تھے بلکہ قومی اقتدار اعلیٰ کے اظہار کیلئے

انھوں نے شاہ دہلی کا لقب اختیار کیا چنانچہ تمام خاندانی مغلیہ کے پندرہ شہنشاہوں نے اپنے جدِّ اعلیٰ کی تقلید کی و نیز قومی حکومت و قومی اقتدارِ اعلیٰ کے نظریہ پر سختی سے کاربند رہے۔

چھٹے مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے قومی اقتدارِ اعلیٰ کیلئے ایک انتہائی موزوں دارالسلطنت کی تلاش شروع کی چنانچہ ان کے پیشِ نظر بھی حضرت ذوالقرنین کا دارالسلطنت تھا۔ چنانچہ انھوں نے سندا وہنوں کی دارالسلطنت پاک پٹن کے قریب اورنگ آباد شہر کو بسایا اور اسی شہر کو بلادِ ہند کے قومی مرکز کے طور پر انھوں نے چھبیس ۲۶ سال کی سخت جدوجہد اور شاہ جہانی خزانوں کی مدد سے آباد کیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ مقام بھی ذوالقرنین کے اقتدارِ اعلیٰ کا مرکزی مقام نہیں تھا۔ چنانچہ جب اورنگ آباد کی آبادی گیارہ لاکھ سے متجاوز ہو گئی تب پانی کی شدید کمی لاحق ہوئی جس کی وجہ سے اورنگ زیب عالمگیرؒ کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ اپنے انتخابات کی غلطی کا احساس تینوں متعلقہ حکمرانوں کو اُن کی اپنی زندگی کے دوران ہی ہو چکا تھا لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی عوامی سرمایہ صحیح مقام کی شناخت کی غلطی کی نظر ہو چکا تھا۔ یہ حکمران بے حد عالی حوصلہ اور عمدہ تھے لیکن ان کے ورثہ میں یہ عالی حوصلگی اور تاریخ فہمی نہ رہی نتیجتاً تینوں حکمرانوں کے بعد اُن کے ورثہ زوال پذیر رہے۔

قسمت کی یاوری سے اگر ان حکمرانوں میں سے ایک بھی حضرت ذوالقرنین کے دارالسلطنت کی صحیح شناخت کر پاتا تو وہ یقیناً زمین پر ایک اہم مقام پہ متمکن ہو جاتا اور اپنے ورثہ کیلئے ایک عظیم سلطنت ورثہ میں چھوڑ جاتا کیونکہ یہ مقام اپنی بذاتِ خود ایک اہم اسٹریٹجی رکھتا ہے۔

حالیہ عرصہ میں مختلف اخبارات کے ذرائع سے یہ خبریں ملتی رہیں کہ صحرائے اعظم افریقہ میں ایک تحقیقاتی ٹیم مغربی ریسرچ اسکالروں کی ذوالقرنین کی باقیات کی تلاش میں نکل پڑی جس کا مفروضہ یہ تھا کہ کیونکہ حضرت سکندر ذوالقرنین کا انتقال ریگستانی خطہ ارض پر ہوا اس لئے لشکر کی تباہی پر قیاس کیا گیا جو کہ قطعی غلط تھا لشکر کے جرنیلوں نے دنیا کے سب سے گرم ترین ریگستانی خطہ ارض میں آپ کے انتقال کے بعد ذوالقرنین کی نعش کو ان کے ورثہ تک بحفاظت تمام پہنچایا اور آپ کی تدفین آپ کی دارالسلطنت میں پائی جانے والی ایک غیر معمولی چٹان میں عمل لائی گئی۔ جس سے لشکر ذوالقرنین کی ریگستانی خطہ ارض میں تباہی کا قیاس غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

ذوالقرنین اور سائرس اعظم

کچھ عصر جدید کے محققین نے کیخسرو سائرس اعظم کو ہی سکندر ذوالقرنین قرار دینے کی کوشش کی ہے جنکا زمانہ ۵۳۵ سال قبل مسیح کا ہے جبکہ ذوالقرنین کا اقتدار اعلیٰ زمین پر سیدنا داؤد خلیفۃ اللہ سے قبل اور قوم عادِ ثانی کے بعد زمین پر قائم ہوا۔ سکندر ذوالقرنین کو ذوالقرنین کے لقب سے سب سے پہلے قوم عادِ ثانی نے مخاطب کیا جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔ "قالوا یا ذوالقرنین" کہا انھوں نے اے ذوالقرنین الغرض سیدنا داؤد خلیفۃ اللہ کے بعد پیغمبر سلیمانؑ کی بادشاہی زمین پر قایم ہوئی اور آپ کے جانشینوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر بابل کے حکمراں بختِ نصر نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور بعد اہل بابل کو شکست دیکر ایران کے حکمراں کیخسرو سائرس اعظم نے شہر بابل پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد دارائے دوم نے بابل کی شہر پناہ توڑ ڈالی ۔ حال ہی میں سابقہ شہنشاہ رضا شاہ پہلوی نے اسی سائرس اعظم کا ڈھائی ہزار سالہ جشن تاجپوشی منایا۔ اس جشن تاج پوشی کا بڑا اہتمام کیا گیا مہینوں پہلے سے تیاریاں شروع کی گئیں سینکڑوں ریسرچ اسکالروں نے اسی سائرس اعظم کی زندگی پر تحقیقاتی مقالے پیش کیئے لیکن ان میں سے کوئی بھی یہ ثابت نہ کر سکا کہ سائرس اعظم ہی قرآنی سکندر ذوالقرنین ہیں۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور
اصحاب رسول کی رائے
سکندر ذوالقرنین کے بارے میں

حضرت ذوالقرنین کے بارے میں سولہ[۱۶] آیاتِ قرآنی کے نزول کے بعد بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کون تھے؟ آیئے ہم آیاتِ قرآنی اور اس کی شانِ نزول اور پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اصحابِ رسولؐ کے فرمودات کی توضیح کی روشنی میں حضرت ذوالقرنین کی شخصیت اور زمانے کو پہچاننے یا جاننے کی کوشش کریں گے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ رومی نوجوان تھا۔ اسی نے اسکندریہ بنایا اُسے ایک فرشتہ آسمان تک چڑھا لے گیا تھا اور دیوار تک لے گیا تھا (دلائل نبوت امام ابوزرعہ الرازی؟ تفسیر کبیر)

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ نہ تو نبی تھے اور نہ فرشتہ بلکہ وہ خدا کے نیک بندے تھے اور صالح بادشاہ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کیلئے بادلوں کو مُسخّر فرما دیا۔ پس اس پر سوار ہوتے اور آپ کے اسباب کو وسیع کر دیا اور نور کو آپ کیلئے فرش کر دیا تو رات اور دن آپ کیلئے برابر تھے اور زمین کی سیر آپ کیلئے

آسمان اور اُس کے راستے آپ کے تابع کر دیا (تفسیر خازن ص 223)

وہب کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ تھے چونکہ اُن کے سر کے دونوں طرف تانبا رہتا تھا۔ اس لئے اُنھیں ذوالقرنین کہا گیا یہ بھی وجہ بتلائی گئی کہ یہ رُوم اور فارس کا بادشاہ تھا۔ بعضوں کا قول ہے کہ فی الوقع اُس کے سر کے دونوں طرف کچھ سینگ سے تھے وغیرہ وغیرہ۔

خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ خدا کے نیک بندے تھے۔ اپنی قوم کو خدا کی طرف بُلایا یہ لوگ مخالف ہوگئے اور ان کے سر کے ایک جانب اس قدر مار کہ یہ شہید ہوگئے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کر دیا قوم نے پھر سر کے دوسری طرف اس قدر مار کہ جس سے پھر یہ مر گئے۔

ایک قول یہ بھی ہے چونکہ یہ مشرق سے مغرب تک سیاحت کر آئے تھے۔ اس لئے اُنھیں ذوالقرنین کہا گیا۔ خدا نے اسے بڑی سلطنت دی تھی ساتھ ہی قوت و لشکر آلات حرب سب کچھ دے رکھا تھا۔ مشرق سے مغرب تک اُنکی سلطنت تھی۔ عرب و عجم سب اُس کے ماتحت تھے ہر چیز کا اُسے اُس نے علم دے رکھا تھا زمین کے ادنیٰ اعلیٰ نشانات بتلا دیئے تھے۔

تمام زبانیں جانتے تھے جس قوم سے لڑائی ہوتی اُس کی زبان بولتے تھے ایک مرتبہ حضرت کعب احبارؓ سے حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا تھا کہ تم کہتے ہو کہ ذوالقرنین نے اپنے گھوڑے ثریا سے باندھے تھے؟ انھوں نے جواب دیا اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو سنئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اُسے ہر چیز کا سامان دیا تھا (تفسیر ابن کثیر)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ یہ مشرق و مغرب تک کیسے پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا سُبحان اللہ اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو اُن کے لئے مسخر کر دیا تھا اور تمام اسباب انھیں مہیا کر دیئے اور پوری قوت و طاقت دیدی تھی (تفسیر ابن کثیر)

اور بعض قصّے مشہور ہے کہ سُورج کے غروب ہونے کی جگہ سے بھی آپ تجاوز کر کے اور سُورج مدتوں اُن کے پس پُشت غروب ہوتا رہا (تفسیر ابن کثیر)

علاّمہ حافظ ابن کثیر بنی اسرائیل کے خبروں کا حوالہ دیتے ہیں کہ ذوالقرنین ایک ہزار چھ سو (۱۶۰۰) سال تک زندہ رہے اور آپ زمین پر دین کی تبلیغ کرتے رہے۔ ساتھ ہی بادشاہت بھی پھیلتی رہی ہم نے آگے ان اقوال صالحین کا تجزیہ ان کی ظاہری فصاحت کے علاوہ اُن کے حقیقی معنوی مُرادیت سے کیا ہے۔

ماقبل ذوالقرنین کا سیاسی و سماجی پس منظر

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں مشرقِ وسطیٰ کا سب سے طاقتور حکمران نمرود تھا حضرت خلیل اللہ کے والد اور بعض روایتوں میں چچا اس کے دربار میں ملازم تھے۔ اور بڑے ماہر سنگ تراش سمجھے جاتے تھے۔

نمرود ابتدا میں صرف ملک عراق کا حکمران تھا اور وہ بذاتِ خود قوم عادِ ثانی کا باجگذار تھا۔ اُس زمانے میں قوم عادِ ثانی کا مسکن کوہ قاف کے اُس پار اڈلیسہ یا ارمینہ کے علاقے میں تھا۔ اُس وقت قوم عادِ ثانی کا اقتدارِ اعلیٰ پوری زمین پر محیط تھا۔ اس زمانے میں قوم عادِ ثانی یاجوج وماجوج نامی دو خوفناک منگولی قبیلوں سے برسرِ جنگ تھے اور یہ قبائل بے حد چالاک اور دانشمند تھے پورے کرۂ ارض پر اپنے اقتدارِ اعلیٰ کے قیام کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ وہ قوم عادِ ثانی کے اقتدارِ اعلیٰ کو چیلنج کرتے ہوئے بلادِ چین، بلادِ ہند، تہذیب ہلالی و دیگر وادیوں کی تہذیبوں کو اپنی مشترکہ لوٹ مار کا شکار بناتے۔ ان تباہ کاریوں کے ساتھ ساتھ وہ براہِ راست طور پر قوم عادِ ثانی کے مسکن اڈلیسہ یا آرمینہ پر راست دستِ قبچاق کی سمت سے بھیانک حملے کرتے رہتے تھے۔ یہ اُن کی قومی پالیسی تھی کہ کسی طرح قوم عادِ ثانی کو موجودہ سوویت یونین کے علاقوں سے مکمل طور پر بے دخل کر دیں تاکہ بعد میں آسانی کے ساتھ موجودہ زمانے کی تیسری دُنیا کے تمام ممالک پر اپنا اقتدارِ اعلیٰ قائم کر سکیں۔ ان دو طاقتور قوموں کی باہمی شدید خون ریزی سے حکمرانِ عراق نمرود نے خوب فائدہ اٹھایا۔

اور بکمال دانشمندی سے ایک منظم توسیعی پسندانہ حکمت عملی اپنائی سب سے پہلے اس نے بلادِ شام و فلسطین کے ممالک کو فتح کیا پھر جانب مشرق متوجہ ہوا ترکستا اور ایران اور افغانستان کو اپنی عملداری میں شامل کر لیا۔ اس طرح اس نے قوم عادِ ثانی اور یاجوج و ماجوج قبائل کے باہمی خون ریزی کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہو ایک منظم و مستحکم سلطنت قائم کر لی اور بتدریج اپنے اقتدار کو بڑھانے لگا۔ حضرت ابرا خلیل اللہ نے عین اس وقت جبکہ اس کی امارت بڑے عروج پر تھی اس کو اپنے دین حنیف کی دعوت دی اس پر وہ جھلا کر آپ کی ہلاکت پر اتر آیا اور آپ کو ایک مہیب آگ میں پھینکوا دیا۔ ابراہیم خلیل اللہ نے معجزہ خداوندی کا اظہار کرتے صحیح وسالم باہر نکل آئے۔ بی بی سارہ کے ساتھ جو آپ پر ایمان لا چکی تھیں ملک کنعان کی راہ لی آپ کی واپسی کے فوری بعد اہل بابل کو ملیریا کے مہلک مرض نے آن گھیرا اور تمام قوم اس وبا سے برباد ہوئی خود نمرود ایک مچھر کے ضرر سے ہلاک ہو

یہاں پر یہ بات خاص طور پر ضروری ہو گی کہ ہم اس زمانے قدیم کے تمام احو ایک سرسری احاطہ کر لیں تاکہ ہم حضرت ذوالقرنین کی شخصیت اور اس زمانے احوال کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔

آدم علیہ السلام کے بعد الف ثانی میں نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ طوفان نو کے بعد اولاد نوح میں قوم عاد نے زمین پر سب سے پہلے عالمگیر غلبہ حاصل کیا اس قوم میں عاد، شدید اور شداد نامی تین بڑے بادشاہ گزرے۔ حضرت ہود علیہ سے کفر کرنے کے نتیجے میں یہ طاقتور قوم عذابِ الٰہی کا شکار ہوئی۔

زمین پر قوم عاد کے بعد قوم ثمود کا اقتدار اعلیٰ قائم ہوا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ قوم زیادہ عرصہ تک باقی نہ رہ سکی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے قتل کے مرتکب ہو کر قہر خداوندی کا یہ قوم شکار بنی پھر قوم عادِ ثانی یعنی ارم نے غلبہ پایا۔ ان پر آشو

حالات میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دین حنیف پیش کیا اور مصلحت خداوندیؐ بلاد کنعان کو اپنا مسکن بنایا اور آپ نے اپنی دوسری بیوی بی بی ہاجرہ کو سرزمین جزیرۃ العرب کے عین مرکزی خطہ میں ناف زمین کے پاس کعبۃ اللہ شریف میں حکم خداوندی سے اپنی بیوی کو ٹھیرایا۔

اس امر رب میں بعض حکمتیں فلاح نسل انسانی کیلئے پوشیدہ تھیں خدا علیم وحکیم کو اس بات کا غالب علم تھا کہ دین حق پر زماں اور مکاں اور لساں کی تبدیلیوں کی وجہ سے مختلف اثرات مرتب ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ دین اسلام کے خالص کر دینے کیلئے زماں اور مکاں اور لسانی کمزوریوں سے اس کو پاک بنا دینے کیلئے خدائے قدوس نے بی بی ہاجرہ کی اولاد کو منتخب فرمایا آپ کے بطن سے ایک نسل آل اسماعیل یا عرب مستعربہ کے نام سے پیدا ہوئی۔ عرب متعربہ نے ملت ابراہیم کی ایک خاموش اور مسلسل خدمت انجام دیتے رہے زبان عربی عرب کے خصوصی جغرافیائی حالات کے پس منظر میں پرورش پاتی رہی، یہ زبان خالص انسانی جذبات کی مظہر ہے جو عرب کے مخصوص جغرافیائی حالات میں دوسرے تہذیب و تمدن سے بغیر کسی اختلاط کے پروان چڑھتی رہی اور اس زبان نے اتنی زرخیزی اس مخصوص ماحول میں پائی کہ اعلیٰ اور عمدہ زبان نسل انسانی کی کامل ضرورت کیلئے پروان چڑھی۔ چنانچہ آل اسماعیل ساری دنیا سے کٹے ہوئے عرب کے ریگزاروں میں کھجور اور اونٹ پر اکتفا کرتے ہوئے یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے بڑے فرزند سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مکہ مشرفہ کی تعمیر کی اور اسکو آل اسماعیل نے خدا کے بندوں کے طواف کیلئے پاک وصاف رکھا۔ یہ دو بلند ترین خدمات تھے جو آل اسماعیل انجام دیتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عالم بڑھاپے میں بشارت خداوندی کے موجب

فرزندارجمند تولد ہوئے جنکا نام آپ نے اسحٰق (علیہ السلام) رکھا۔ حضرت اسحٰق کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا۔ آپ کو دو فرزند پیدا ہوئے حضرت عیص اور حضرت یعقوب علیہ السلام جن کا ایک نام اسرائیل بھی تھا۔

حضرت عیص نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اکلوتی بیٹی بی بی تسمیہ سے نکاح فرمایا اور آل ابراہیم کے خونی رشتوں کو مضبوطی سے جوڑ لیا۔ حضرت عیص بڑے بہادر اور وجیہ تھے پورے ملک میں آپ کو غلبہ تھا۔ سارے بلاد کنعان میں آپ کا دبدبہ قائم تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بڑے بھائی سے ملاقات کے دوران کسی نامعلوم و بے بنیاد اندیشے کا اظہار کیا۔ تب حضرت عیص بے حد ملول ہوئے اور آپ نے ملک کنعان اپنے بھائی یعقوب کے حق میں چھوڑ دیا اور یورپ میں اطالیہ کے ملک میں جا بسے جہاں پر آپ کے فرزند روم پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے آل یعقوب علیہ السلام میں پیغمبری جاری فرمائی اور کثرت سے نبی وہادی آپ کی نسل میں پیدا ہوئے جبکہ حضرت عیص جو حضرت اسحٰق کے بڑے فرزند تھے کی اولاد میں حکومت چلتی رہی۔

ہوا یوں کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام اپنے فرزند اکبر حضرت عیص کے حق میں دعائے نبوت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن بی بی کی کوشش سے یہ دعا حضرت یعقوبؑ کے حق میں ہوئی۔ چنانچہ حضرت اسحٰقؑ نے حضرت عیص کے حق میں اولاد کی مثل ریت پیدا ہونے کی دعا فرمائی۔ چنانچہ اس دعائے نبوی کی برکت آپ کی برکت سے آپ کی اولاد کثرت کے ساتھ زمین پر پھیلی۔ حضرت عیص نے اپنے طایا حضرت اسماعیلؑ کی اکلوتی صاحبزادی بی بی تسمیہ سے شادی کی۔

حضرت عیص بڑے بہادر اور جواں مرد سردار تھے۔

اللہ کے صادق و امین نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذوالقرنین رُومی تھے۔ رسول عربیؐ نے یہاں پر اس بات کی طرف واضح اشارہ فرمایا کہ آپ روم بن عیص بن اسحٰق ؑ کی اولاد سے تھے۔ سکندر ذوالقرنین روم بن عیص بن اسحٰق ؑ کے پوتے تھے۔ آپ کا زمانہ خواجہ خضر کا زمانہ ایک ہے۔ خواجہ خضر اسرائیلی تھے۔ آپ کا پورا نام ایلیا بن ماہیشا بن افراہیم بن یوسفؑ بن یعقوبؑ تھا۔

آپ سکندر ذوالقرنین کے سگے خالہ زاد بھائی تھے اور لشکر ذوالقرنین کے سپہ سالار و راہبر بھی سکندر ذوالقرنین کے تمام سفروں میں شریک رہے اور قیادت فرماتے رہے حضرت یعقوبؑ کا نام اسرائیل بھی تھا۔ اسی نام سے آپ کی اولاد بھی مشہور ہوئی اولاد یعقوب یعنی بنی اسرائیل نے جب ملک مصر میں حضرت یوسفؑ کی بدولت غلبہ پایا اور ان کا اقتدار خوب پھیلا اس دوران حضرت عیص کی اولاد حضرت اسحٰق نبی کی دُعا کے بدولت پورے مغربی ایشیاء میں پھیل گئی۔ حضرت یوسفؑ کے بعد ملک ریان حاکم مصر کی اولاد نے بتدریج غلبہ حاصل کرنا شروع کیا۔

سکندر ذوالقرنین نے عیص کی اولاد یعنی آل اسحٰقؑ اور بنی اسرائیل کو ایک پرچم تلے تہذیب ہلالی یعنی ملک عراق میں متحد کر دیا۔ سلطنت نمرود کی بربادی، قوم عادِ ثانی اور یاجوج وماجوج کی باہمی خون ریزیوں کی وجہ سے پھیلنے والے تراج وانتشار اور معاشی بدحالی کے پیش نظر ملک عراق میں آپ کی مراجعت ایک ناگزیر امر تھی۔ ان ابتر معاشی وسیاسی و سماجی صورتحال کا آپ نے بخوبی اندازہ لگایا اور ایک عظیم سلطنت کے قیام کا بیڑا اٹھایا آپ میں آبائی خاندانی وراثتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ عالی دماغ صحت مند و بہادر تھے وہ نبی نہیں تھے

لیکن انبیاؤں کا فہم و ادراک آپ میں وراثتاً موجود تھا آپ اپنے جدّی دین و ملّت ابراہیم پر تھے۔

صحف ابراہیم علیہ السلام کے بہت بڑے عالم اور دین ابراہیم خلیل اللہ کے بہت بڑے پیرو کار تھے۔ صحف ابراہیم کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تمام تر مخاطبت حکمرانوں سے ہے کہ ایک حکمران کو کس طرح ہونا چاہیئے کس طرح اسکے اوقات زندگی تقسیم ہونا چاہیئے کتنا وقت عبادات کیلئے اور کتنا وقت ریاست کے معاملات کیلئے ہونا چاہیئے اور نجی زندگی کیسی ہونی چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت ذوالقرنین نے جدّ اعلیٰ کے دین کی حرف بہ حرف اتباع کی اور اسکا شاندار عملی نمونہ اپنی زندگی میں پیش کیا۔

کیونکہ زمانے قدیم میں یہ تصوّر قوی تر تھا کہ جیسا راجا تھا ویسا پرجا (جیسا بادشاہ ویسی رعایا) یہ تصور صرف صحف ابراہیم میں حکمرانوں کی مخاطبت کی وجہ سے سمجھا تھا۔ یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مقدس قرآن میں انسان کو مخاطب فرمایا گیا۔ یَآاَیُّھَا النَّاس چنانچہ اس کلیگ میں جیسا شہری ہوگا۔ ویسا ہی اُن پر حکمراں مُسلط کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے اسلام نے دنیاوی بادشاہت سے کنارہ کشی اختیار رکھی۔ ان کے پیش نظر دنیا کا مفہوم بے حد وسیع تر تھا۔ اسٹیٹ فلسفی کے طالب علم اگر اس نکتہ پر غور کریں تو رموز مملکت کے پوشیدہ حکمتیں اور اقتدار کے تقاضے ان پر منکشف ہوسکتے ہیں۔

الغرض حضرت ذوالقرنین نے متعدد بار کعبۃ اللہ شریف کی زیارت کی قربانیاں دیں اور زندگی بھر دین ابراہیم کی خدمت کرتے رہے اور ان کے بعد بھی ان کی صالح اولاد سولہ سو سال دین کی خدمت کرتی رہی۔ جیسا کہ بعض اکابر اسلامی مفکرین نے نوٹ کیا وہ نیز علامہ ابن کثیر نے بھی ان کا حوالہ نوٹ کیا وہ یہ کہ

بنی اسرائیل کی خبروں میں ہے کہ ذوالقرنین سولہ سو سال زندہ رہے اور برابر زمین پر دین کی تبلیغ کرتے رہے ساتھ ہی بادشاہت بھی پھیلتی رہی اس حوالے کا پس منظر یہ ہے کہ آپ کی اولاد سولہ سو سال تک بحیثیت مقدر اعلیٰ حکمراں حکومت کرتے رہے اور ملت و دین ابراہیم کی خدمت بھی کرتے رہے خلافتِ داؤدی کے اعلان کے بعد ورثۂ ذوالقرنین نے خلافت داؤدی کے آگے سر تسلیم خم کیا اور ذوالقرنین کے لقب موروثی کو انہوں نے ترک کیا اور اپنے آپ کو خلافتِ داؤدی سے کمتر حکمراں قرار دیا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ورثہ ذوالقرنین لفظ ذوالقرنین کے ایک مرادی معنی کو روزمرہ القابِ شاہی کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ ذوالقرنین دین ابراہیم اور اولاد ابراہیم کے روشن چراغ تھے آپ کو بیک وقت آل اسماعیل آل اسحٰق اور نبی اسرائیل کی مکمل تائید و حمایت حاصل تھی آپ نے صحف ابراہیم کی تعلیمات کی تعلیمات کی روشنی کو زمین پر پھیلایا اللہ پاک نے آپکی پسندیدہ خصلتوں اور اعمال و افعال کی وجہ سے سرفراز فرمایا جیسا کہ حضرت خلیفہ چہارم حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کیلئے بادلوں کو مسخر فرما دیا پس آپ اس پر سوار ہوتے اور آپ کے اسباب کو دراز کر دیا اور نور کا آپ کیلئے فرش کر دیا تو رات اور دن آپ کے لئے برابر تھے زمین کی سیر آپ کیلئے آسان اور اس کے راستے آپ کے تابع کر دیئے (تفسیر خازن)[223]

مندرجہ بالا ترجمہ خلیفہ چہارم کی انتہائی فصیح و بلیغ عربی ارشادات کا ترجمہ ہے جو تفسیر خازن میں درج ہے۔ ان کے لفظی معنی کے ساتھ ساتھ ان کے مرادی معنی بھی بڑی معنویت رکھتے ہیں خلیفہ چہارم نے انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایک ہی جامع تقریر میں ذوالقرنین کی شخصیت پر مکمل روشنی ڈالی و نیز

ذوالقرنین کے مقتدرِ اعلیٰ حکمراں ہونے کی طرف اشارہ فرما دیا۔ ذوالقرنین کا اقتدار اعلیٰ آپ کی تقریر سے زمین پر سمندروں پر فضاؤں میں ثابت ہوا کیونکہ عالمی اقتدار اعلیٰ کیلئے ان تینوں کو مسخر کرنا ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

ذوالقرنین کی شخصیت کے بارے میں جناب احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں "ذوالقرنین کا نام اسکندر تھا یہ حضرت خضر کے خالہ زاد بھائی تھے۔ انہوں نے اسکندریہ کا شہر بنایا اور اسکا نام اپنے نام پر رکھا حضرت خضر ان کے وزیر اور صاحب لواء تھے دُنیا میں ایسے چار بادشاہ ہوئے ہیں جو تمام دُنیا پر حکمران تھے دو مومن حضرت ذوالقرنین اور حضرت سُلیمان علیہ السلام اور دو کافر نمرود اور بخت نصر عنقریب ایک پانچواں بادشاہ اس اُمّت سے ہونے والے ہیں جنکا اسم مبارک امام مہدی علیہ السلام ہے ان کی حکومت تمام رُوئے زمین پر ہوگی۔ ذوالقرنین کی نبوت میں اختلاف ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ نہ نبی تھے اور نہ فرشتے اللہ سے محبت کرنے والے بندے تھے۔ اللہ نے انھیں محبوب بنایا صفحہ 183 پر لکھتے ہیں کہ ذوالقرنین نے کتابوں میں دیکھا تھا کہ اولاد سام میں سے ایک شخص چشمۂ حیات پانی کا پیئے گا اور اس کو موت نہ آئے گی۔ یہ دیکھکر وہ چشمۂ حیات کے طلب میں مغرب و مشرق کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ حضرت خضر بھی تھے وہ چشمۂ حیات کے طلب میں مغرب و مشرق کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ حضرت خضر بھی تھے۔ وہ چشمۂ حیات تک پہنچ گئے اور انھوں نے پی بھی لیا مگر ذوالقرنین کے مُقدر میں نہ تھا اور انھوں نے نہ پایا ازرقی کا قول ہے کہ سکندر ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اس نے آپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی زیارت کی اور طواف بیت اللہ کیا اور آپ پر

ایمان لایا تھا۔ آپ کا تابعدار بنا تھا۔ انہی کے وزیر خواجہ خضرؑ ہیں وغیرہ وغیرہ۔
انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں کہ سکندر ذوالقرنین کو سکندر اعظم مقدونیا قرار دینے کی ابتدائی لغزش محمد بن اسحٰق نے کی۔ اسی نے سکندر ذوالقرنین کو مقدونیا کا سکندر اعظم قرار دیا کیونکہ اس کی تصنیف مقبول اور رائج تھی اسلئے یہ نام شائع و ذائع ہوگیا۔

بادشاہ سکندر مقدونی کو ذوالقرنین قرار دینے کی وجہ یہ ہوئی کہ عرب میں جس بادشاہ کی حدود سلطنت وسیع تر ہوتی اسکو بالعموم ذوالقرنین کہہ دیا جاتا۔ چنانچہ یمن کے تبابعہ کو بھی ان کی سلطنت وسیع ہونے کی بناء عرب ذوالقرنین کہتے آئے۔

امراؤ القیس مشہور شاعر نے حمیر کے بعض بادشاہوں کو اپنے اشعار میں ذوالقرنین کہا ہے اسی طرح اہل عرب و ایران کے بعض بادشاہوں مثلاً کیقباد اور فریدوں کو بھی ذوالقرنین کہتے ہیں۔ اہل عرب کی یہ ایجاد تھی جس کی بناء بعض لوگوں نے سکندر مقدونی کو ذوالقرنین کہدیا۔

انظر شاہ کشمیری نے اپنے حوالے میں لکھا ہے کہ حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ بعض کا خیال ہے کہ فغفور چین تھا حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا ہوتو وہ مشرقی ہوگا اور قرآن مجید میں اس کے سفر مغرب کے بعد کہتا ہے کہ ذوالقرنین پھر مشرق کی طرف لوٹ گیا۔

حالانکہ قرآن مجید نے ایسا نہیں کہا اور وہ اہل مغرب میں سے تھا بلکہ مشرق و مغرب کے درمیان کے علاقہ کا وہ باشندہ تھا جس کا نسب قدیم سامی عرب تک پہنچتا ہے۔

وہب کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ تھے چنانچہ ان کے دونوں طرف تانبہ رہتا تھا۔

اس لئے انھیں ذوالقرنین کہا گیا۔ یہ بھی وجہ بتلائی گئی ہے کہ یہ روم اور
فارس کا بادشاہ تھا بعض کا قول ہے کہ اُس کے سر میں دو طرف کچھ سنگ سے
تھے حضرت علیؓ نے فرمایا اس نام کی وجہ یہ ہے یہ خدا کے نیک بندے تھے
اپنی قوم کو خدا کی طرف بُلایا یہ لوگ مخالف ہو گئے اور ان کے سر کے ایک جانب
اس قدر مارا کہ وہ شہید ہو گئے۔
اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کر دیا قوم نے سر کی دوسری طرف اس قدر مارا کہ
جس سے یہ پھر مر گئے اس لئے انھیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے"
تفسیر ابن کثیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ مشرق
سے مغرب تک سیاحت کر آئے تھے اس لئے انھیں ذوالقرنین کہا گیا۔
مزید لکھا ہے کہ خدا نے انھیں بڑی سلطنت دے رکھی تھی۔
ساتھ ہی قوت لشکر آلات حرب سب کچھ دے رکھا تھا مشرق سے
مغرب تک اُس کی سلطنت تھی۔ عرب سے عجم سب اس کے ماتحت تھے
ہر چیز کا اُسے علم دے رکھا تھا۔ زمین کے ادنیٰ و اعلیٰ نشانات بتلا دیئے
تھے تمام زبانیں جانتے تھے جس قوم سے لڑائی ہوئی اُس قوم کی زبان بولتے تھے

خلیفہ چہارم حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں

مقامِ ذوالقرنین

مندرجہ بالا تمام حوالوں کا مقصد یہ ہے کہ ان کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول عربیؐ نے اس واضح حدیث کے ذریعہ کہ آپ رُومی تھی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ آپ ردم بن عیض بن اسحٰق بن ابراہیمؑ کی اولاد سے تھے۔

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ نے اپنی اس وضاحت کے ساتھ کہ خدا نے آپ کو بڑا تصرف دیا تھا بادلوں کو آپ کیلئے مسخر فرما دیا تھا۔ نُور کو آپ کا لباس بنا دیا تھا زمین آپ کیلئے راہ بنا دی تھی۔"

امام اولیاء نے اپنی فصیح وبلیغ عربی تقریر کے ذریعہ حضرت ذوالقرنین کے مقامِ ظاہری وباطنی پر روشنی ڈالی اور سمجھا دیا کہ خدا کے پاس ذوالقرنین کا کیا مرتبہ تھا۔

جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ "کہا ہم نے اے ذُوالقرنین یہ کہ عذاب کرے تُو اِن کو یا یہ کہ پکڑے تُو بیچ اُن کے بھلائی۔"

کلام الٰہی ایک بندے کے حق میں کتنا بلند مرتبہ خدا کے حضور میں حضرت ذوالقرنین کا تھا۔ پہلی چیز یہ کہ اللہ نے کلام فرمایا اگرچہ کہ وہ الہام ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو

دوسری یہ کہ ایک قوم حوالے کر دی گئی اور اُسکے مستقبل کے فیصلہ کرنے کا اختیار ایک فرد کو عطا کر دیا۔

حضرت علیؓ نے انبیاؤں اور اولیاؤں کے مخصوص انداز گفتگو میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ انتہائی مختصر و جامع الفاظ میں ذوالقرنین کی شخصیت پر روشنی ڈالی ممکن ہو بعض محققین کو حضرت علیؓ کے الفاظ کے ظاہر معنی پر اُن کے حقیقی مفہوم سے عدم وقفیت کے بناء پر کچھ اختلافات پیدا ہوں لیکن یہ فرمودات بہت ہی بڑی معنویت اور پُرحکمت پس منظر رکھتے ہیں۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے اپنی دوسری تقریر میں دوسری شہادت کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ اشارات اگرچہ کہ اس کے ظاہری معنی عجیب و غریب نظر آتے ہیں لیکن عربی فصاحت و بلاغت میں یہ معنی پورے پورے اُترتے ہیں اور ایک عظیم تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہاں پر امام مشارق والمغارب نے ایک پُراسرار تاریخی پس منظر کچھ بلند ترین تشبیہہ و استعارے میں بیان کیا ہے۔ چودہ سو سال قبل ان اُمور پر کھلے اظہار خیال سے اس کے پس پردہ کار فرما بعض مضمرات کی وجہ سے احتراز کیا گیا۔

جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بذاتِ خود سیدنا امام حسنؓ کو ایک وصیت میں مختلف تاریخی اُمور ایک فصیح و بلیغ تشبیہہ و استعارے میں بیان فرمائے ہیں اور اپنی اس خطاب میں کھلے عام اظہار خیال سے اجتناب کی وجہ بتلائی ہے۔

خلیفہ چہارم کی تقریر کا پس منظر یہ تھا کہ ذوالقرنین نے نسلِ انسانی کی بقاء وارتقاء فلاح و بہبود کے پیشِ نظر مابعد تعمیر سدِّ سکندری اپنی مملکت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک کا دارالسلطنت بلاد چین میں دیوار چین کے

پاس موجودہ شہر پیکنگ کے گرد و نواح کا علاقہ تھا۔ دوسرا دارالسلطنت بلادِ ہند میں تھا جو بعد میں شہر صُور کے نام سے شرق وسطیٰ کے ممالک میں جانا جاتا تھا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر شاہانِ ہند کے بیان میں اس دارالسلطنت (شہر صُور) کے محل و قوع کی کھوج کا احوال لکھا۔ غرض یہ کہ یہ دونوں دارالسلطنت حضرت ذوالقرنین کی قوم کے (آلِ اسحٰق) کے مسکن تہذیب ہلالی سے بہت دُور تر تھے وہ نیز انہیں دونوں شہروں کو حجاز میں بیت اللہ شریف اور ملک کنعان میں انبیاؤں کی سرزمین سے کوئی قرب تعلق خاطر نہ تھا۔ قوم کی سطحی فکر و نظر رکھنے والے افراد آپ کے اس عمل کو سخت ناپسند کرتے چنانچہ ایک عظیم بغاوت آپ کے خلاف ہوئی اور قوم نے ایک وسیع و عظیم یلغار آپ کے بلادِ ہند والے دارالسلطنت شہر صُور پر کر ڈالے اور اسکو تباہ و تاراج کر دیا۔

چونکہ آپ کا دوسرا دارالسلطنت اور ملک محفوظ تھا اسلئے آپ نے اس دوسری سلطنت کی مدد سے پہلے دارالسلطنت شہر صُور کو جانب جنوب ساٹھ کلومیٹر ہٹ کر انتہائی وسیع و عریض اور مضبوط بنیادوں پر آباد کر لیا۔ یہ تعمیر اتنی مضبوط اور وسیع تر تھی کہ آئندہ کبھی بھی اس کی تسخیر ممکن نہ تھی۔ اس بات سے آپ کی قوم پھر مشتعل ہوئی اور اپنے غیض و غضب کا شکار آپ کے دوسرے دارالسلطنت کو بنایا اور خود بھی دو عظیم مملکتوں سے ٹکرا کر اپنی تمام تر انسانی اور دنیوی طاقت گنوا بیٹھے ان میں پھر کبھی اتنی طاقت پیدا نہ ہوئی کہ وہ دوبارہ بلادِ ہند پر حملہ کرتے یا شہر صُور تک پہنچتے اور اب انکی مسلسل سرکشی کی بدولت ذوالقرنین اور بعد میں ورثۂ ذوالقرنین کے دل میں اپنی قوم کے تعلق پایا جانے والا نرم گوشہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا اور موجودہ شرق وسطیٰ کا تمام تر علاقہ سائنس و ٹیکنالوجی تجارت و دولت و دیگر تمام

وسائل مملکت سے انھیں عادی بنا دیئے گئے۔ تاکہ یہ لوگ پھر کبھی کسی قسم کا خطرہ پیدا نہ کرسکیں جنکا تلخ تجربہ ماضی میں ہو چکا تھا۔ ان لوگوں کی دوسری اُٹھان اُسی وقت ممکن ہوسکی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انبیاء بنی اسرائیل کی بدولت ابتداء میں اِس علاقے میں عظیم الشان علمی کام انجام دے گئے اور ایک اعلیٰ وارفع علمی ماحول بنا۔ تب حضرت سیّدنا داؤد خلیفۃ اللہ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا اور آپ نے شہر صُور کی طرف مراجعت فرمائی۔

حضرت علیؓ نے ان واقعات کو انتہائی بلیغ تقریر میں پیش کیا۔

اکثر انبیاء اور اولیاء نے بعض بڑی ذو معنیٰ زبان میں بعض تاریخی حقائق کو بیان کیا۔ مثلاً بنی اسرائیل کے انبیاؤں نے مقتدر اعلیٰ حکمرا جرواہے سے تشبیہیں دی بعض انبیاء نے شہر بابل کو دختر کالدیا کہا حضرت محی الدین ابن عربی شیخ الاکبر نے فتوحات مکیّہ میں ایک عجیب پیشین گوئی کی ہے جسکا مطلب سمجھنے میں بڑے بڑے اکابر و عارفین بھی حیران آپ نے لکھا ہے۔ یَکُوْنُ خَیْرٌ وَجِہَۃٌ بَعْدَ مَضیٰ قَ - فَ - جَ ظہور بعد گزرنے ق۔ ف۔ ج کے ہوگا۔ فصُوص الحکم کے مُصنّف عالم اسلا کے عظیم الشان عالم دین و دنیا کے اس اشارہ کو سمجھنے سے ہماری عقلیں عاجز ہیں۔

آیاتِ قرآنی اور ذوالقرنین

رسولِ عربیؐ نے ابھی ایک حدیث میں لفظ قرن بمعنی حکومت کے استعمال کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرن یعنی سنگ انبیاؤں کی زبان میں بمعنی حکومت استعمال ہوا ہے۔ رسولِ عربیؐ۔ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ اور بزرگ صحابہؓ کی مندرجہ بالا روایتوں کے بعد احوال ذوالقرنین کا مطالعہ آیاتِ قرآنی کی روشنی میں یہ ہے۔

آیت اللہ کے بموجب

سوال کرتے ہیں تجھ سے ذوالقرنین کے بارے میں کہہ شتاب پڑھوں گا میں اوپر تمہارے اس میں سے کچھ مذکور۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا سردارانِ قریش کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں لفظِ شتاب میں بہت بڑی معنویت پیدا کی ہے۔ اور تمام سوال کرنے والوں کو متنبہ کیا ہے کہ اب ہم ذوالقرنین کے احوال بیان کرنے والے ہیں اگر تم سمجھ سکو تو سمجھو۔

نبی کا امتحان کرنے والو! اپنے دانشوروں پر نازاں انسانوں کیا تم اسرارِ کائنات کی حقیقت کو سمجھ چکے ہو اپنی تمام تر صلاحیتوں کو یکجا کر لو اور خوب غور و فکر کے ساتھ سنو۔

تحقیق ہم نے قدرت دی تھی اس کو بیچ زمین کہ اور دی تھی ہم نے اُس اُس ہر چیز سے راہ۔

وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا (سورۃ الکہف)

مندرجہ بالا آیات میں اس بات کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین کو بڑی قدرت زمین پر دی گئی تھی آیت الٰہیہ میں لفظ سبباً کا استعمال بڑا گہرا معنی ہے۔ ایک خاص بات کی طرف اشارہ کرتا ہے اور خدا خود کہتا ہے فَاَتْبَعَ سَبَبًا پس چلا پیچھے ایک راہ کے یہاں لفظ سبباً بے حد گہرا معنی بن جاتا ہے حضرت سیدنا سلیمانؑ کی شان میں قرآن کہتا ہے کہ:۔

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ (سورۃ النمل)

اور سلیمانؑ داؤد کے بعد وارث ہوئے اور کہنے لگے اے صاحبو! ہم کو پرندوں کا علم ملا ہے اور ہر چیز سے ہم عنایت ہوا ہے بے شک یہ بڑی فضیلت ہے۔

وہ نیز قرآن کہتا ہے بضمن ملکہ بلقیس صبا۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ۔

اور سلیمانؑ سے ہُدہُد بولا اور میں نے پائی ایک عورت کہ بادشاہی کرتی ہے اپنی قوم کی اور دی گئی ہے ہر چیز سے

ان تینوں سورتوں کے حوالے کی وجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا دو آیات میں بالواسطہ طور پر یہ بتلایا گیا ہے کہ اُنھیں ہر چیز سے دیا گیا ہے۔ برخلاف اس کے سورۃ الکہف میں راست طور پر خدا خود یہ بتلایا ہے کہ اس نے قدرت دی تھی اُسکو بیچ زمین کے اور دی تھی ہم نے ہر چیز سے راہ۔

یہاں پر ہم بے حد ادب و انکساری کے ساتھ اس بات کا اقرار کرتے ہیں مندرجہ بالا آیات سے کسی قسم کا فرق انبیاء اور صالحین میں پیدا کرنا مقصود نہیں حضرت سیدنا سلیمانؑ کا عظیم المرتبت رُتبہ روزِ روشن کی طرح روشن

دعیاں ہیں لیکن ہم بڑے ہی ادب واحترام کے ساتھ ان مندرجہ بالا آیتوں میں پائے جانے والے فرق کی طرف قارئین کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان میں پوشیدہ رموز کی طرف انسانی فہم کی رسائی ممکن ہو سکے۔

سورۃ الکہف میں راست خدا قدوس کا اپنے الفاظ میں بیان کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے وہ نیز اِنَّا مَکَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ تحقیق ہم قدرت دی اسکو بیچ زمین کے یہ ایسے خصوصی الفاظ ہیں جن کے معنی بڑے دور رس نتائج کے حامل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ آگے کی آیت میں کہتا ہے میں کہتا ہے اے ذوالقرنین یا یہ کہ عذاب کرے تو اُن کو یا یہ کہ پکڑے تو بیچ اُن کے بھلائی۔ ان آیات میں ذوالقرنین کے مراتب اور تصرفات کی طرف اشارہ ہے خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں خدا نے بادوں کو آپ کے لیے مسخر فرما دیا تھا۔ آپ اس پر سوار ہوتے آپ کے اسباب کو دراز کر دیا تھا نور کو آپ کیلئے فرش کر دیا۔ تو رات اور دن آپ کیلئے برابر تھے اور زمین آپ کے لیے آسان کر دی تھی اور اس کے راستے آپ کے تابع کر دیئے تھے۔

حضرت سلیمانؑ کی شان میں قرآن کہتا ہے۔ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ - پھر ہم نے تابع کی اس کے ہوا چلتی اس کے حکم نرم نرم جہاں پہنچنا چاہتا۔ مندرجہ بالا قرآنی آیتوں میں حضرت سلیمانؑ کے بارے میں اور نیز حضرت ذوالقرنین کے بارے میں قرآن کا یہ کہنا کہ اِنَّا مَکَّنَّا فِي الْأَرْضِ ان دونوں آیتوں کے پس منظر میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی کلام اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ خدا تعالیٰ انبیاء و اولیاء پر اس کے خصوصی التفات و مہربانیاں اس کی خاص خاص حکمتوں کے پس منظر میں یہ معجزات و کرامات بغاد عا کے تحت عطا ہوئے اور ان ہستیوں نے ان انعامات و نوازشات کا

پورا پورا حق ادا کیا۔

وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا اور دی تھی ہم اسکو ہر چیز سے راہ۔

پس پیچھے چلا ایک راہ کے ان وسائل قدرت اور لوازمات و نوازشات سے آراستہ ہو کر حضرت ذوالقرنین نے ایک سفر اختیار کیا۔

عصر جدید میں ایک بار پھر انسان ایسے ہی مراتب سے سرفراز ہو رہا ہے۔ جیسا کہ زمانے قدیم میں یہ بخششیں خداوندی افراد پر تھی۔ عصر حاضر میں یہ بخششیں اجتماعی ہیں اور اس سے متعلق جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔ یٰمعشرل جنّ و انس اے جماعتوں جن انس بیٹھ جاؤ تم زمینوں اور آسمانوں کے کناروں پر مگر نہیں بیٹھ سکتے تم مگر غلبہ کے ساتھ۔

آیات مندرجہ بالا میں عصر حاضر کے تقاضوں اور اجتماعی انسانی ذمہ داریوں کی طرف واضح ہدایات انسانوں کو بہم پہنچادی گئی ہیں۔ خلائی تسخیر فضائی تسخیر اگرچہ مادّی حکمتوں کے پس منظر میں ہوئی ہیں۔ لیکن ان کا عین مقصد خدائے قدوس کے پاس فلاح نسل انسانی ہے۔ تاکہ یہ وسائل سے انسان زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے جیسا کہ سیّدنا سلیمانؑ اور ذوالقرنین نے اپنے تصرفات و تسخیر کو نسل انسانی کی دوامی فلاح و بہبود کیلئے رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر استعمال فرمایا۔

ہم آگے کی آیتوں میں ان برگزیدہ ہستیوں کی تاریخی فلاحی کارناموں پہ موقعہ بموقعہ روشنی ڈالتے رہیں گے۔

ذوالقرنین کا پہلا سفر لوازمات سلطنت و حکومت سے مکمل طور پر آراستہ ہونے کے بعد آیات قرآنی کے بموجب۔

ذوالقرنین کا سفر اوّل

یہاں تک کہ جگہ پہنچا ڈوبنے سورج کے پایا اسکو ڈوبتا تھا بیچ چشمہ کیچڑ کے اور پایا نزدیک اُس کے ایک قوم۔

ذوالقرنین کا سفر اول جانب مشرق بلاد ہند کی طرف تھا آپ درّہ خیبر سے ہوتے ہوئے ہمالیائی ترائی کی طرف مراجعت کرنے لگے۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ سکندر ذوالقرنین کی تاریخی حیثیت کے تعین میں بیشتر مورخین کی ناکامی کی بنیادی وجہ سفر ذوالقرنین کی جہتیں تعین کرنے میں ان کی ناکامی رہی۔ جیسا کہ ہم نے اپنی بحث میں لکھا کہ غروب آفتاب کا مقام بلاد ہند ہے اور طلوع آفتاب کا مقام عرب بیشتر مورخین نے غرب الشمس کے ساتھ ہی اپنے خیالی گھوڑے بلاد مغرب کی طرف دوڑا دیئے جسکی وجہ سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے جبکہ اصحاب رسول اللہ نے اس بارے میں واضح ہدایات اپنے زمانے کے وسائل کے باوجود پیش کئے اصحاب رسولؐ کے فہم قرآن کا یہ عالم تھا کہ عام طور پر باریک سے باریک نکات پر بھی بڑی گرما گرم بحث ہوتی لغوی و فکر ہوتا بحث و مباحث ہوتے اور ان میں کبھی کبھی تلخی بھی پیدا ہوجاتی، علماؤں کے دو عظیم گروہ ہوجاتے۔ ایک طرف حضرت ابن عباسؓ اور کعب احبارؓ ہوتے تو اور دوسری طرف امیر معاویہؓ ہوتے امیر معاویہؓ ہمیشہ تلاوتِ کلام پاک کے دوران سورۃ الکھف کی آیات یوں پڑھتے فی عین حامیۃ پڑھتے جس سے عربی زبان میں ان الفاظ کے معنی بدل جاتے یعنی گرم

چشمہ میں غروب ہوتا پایا۔ نکلتے تھے۔ جبکہ ابن عباسؓ یوں پڑھتے
حَمِیَۃٍ یعنی وہ سیاہ رنگ مٹی میں غائب ہو جاتا تھا۔ اس وا
ابن حاتم میں یوں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابی سفیا
سورۃ الکہف کی یہی آیات تلاوت فرمائی تو آپ نے عین حماہ
اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم تو حَمِیَۃٍ پڑھتے ہیں۔ حضرت معو
عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا آپ کس طرح پڑھتے ہیں انھوں نے جوا
آپ نے پڑھا اِس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

"میرے گھر میں قرآن کریم نازل ہوا ہے" حضرت امیر معاویہؓ حض
پاس آدمی بھیجا کہ بتلاؤ سورج کہاں غروب ہوتا ہے۔ حضرت کع
توریت کے بہت بڑے عالم تھے) کعبؓ نے جواب دیا توراۃ میں آ
پانی اور مٹی میں یعنی کیچڑ میں چھپ جاتا ہے۔

یہ سب قصہ سن کر ابن حاتم نے کہا اگر میں اس وقت ہوتا
میں تبع کے وہ دو شعر پڑھ دیتا جس میں اس نے ذوالقرنین کا
کہا ہے کہ وہ مشرق و مغرب تک پہنچا کیونکہ خدائے حکیم نے اس پر
دیئے فرمائے تھے۔ اس نے دیکھا کہ سورج سیاہ مٹی جیسے کیچڑ میں غ
ابن عباسؓ نے پوچھا اس شعر میں تین لفظ ہیں، خلب، ثاط او
کیا معنی ہیں۔ مٹی۔ کیچڑ اور سیاہ ایک مرتبہ ابن عباسؓ سے سو
تلاوت حضرت کعبؓ نے سنی اور جب آپ نے حَمِیَۃٍ پڑھا تو
توراۃ میں بھی اسی طرح پڑھتے ہوئے ہیں نے آپ ہی کو سنا
یہی ہے کہ وہ سیاہ رنگ کیچڑ میں ڈوبتا ہے، ایک شہر تھا جس
دروازے تھے (اس زمانے میں عام طور پر شہروں کے یا معنی ملک آتھا

پورا ملک ایک ہی شہر کے نام منسوب ہو جاتا تھا) ایک مرتبہ حضرت کعب ؓ سے امیر معاویہؓ نے فرمایا تھا کہ تم کہتے ہو کہ ذوالقرنین نے اپنے گھوڑے ثریا سے باندھے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو سنئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اُس کو ہر چیز کا سامان دیا تھا۔

دونوں برگزیدہ اصحاب کی تفسیروں کا تجزیہ کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے۔ ہر دو اصحاب عربی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے صحیح تھے۔ کیونکہ عربی زبان ایک فصیح اور شیریں زبان ہے یہاں پر دونوں معنی ہی ٹھیک ٹھیک طور پر بیٹھتے ہیں۔ الغرض ذوالقرنین کا یہ سفر آیات قرآنی کی روشنی میں بلادِ ہند میں مانسونی خطہ ارض کی طرف اُس ساحلی مقام کی طرف تھا جہاں پر مٹی سیاہ رنگ کی ہے۔ عام طور پر مانسونی خطّے کے ساحلوں کی مٹی سیاہ رنگ کی کیچڑ و دلدل سے معمور ہوتی ہے کسی کسی محفوظ مقام پر ریت جمع ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک سماں سا بن جاتا ہے۔

دوم یہ کہ ان مانسونی خطہ ارض کے ساحل پر جو سمندری اوریں پائی جاتیں ہیں مقدس قرآن نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قرآنِ مقدس نے بیک وقت اپنی اس آیت میں مانسونی خطہ ارض سمندر کی گرم رَوں و نیز ٹھنڈی رَوں کی طرف بالواسطہ اشارہ کیا ہے۔ یہاں پر اسی واقعہ سے ملتی جلتی ایک بحث جو اپنے میں ایک عظیم تاریخی پس منظر رکھتی ہے قارئین کی دلچسپی کیلئے پیش کریں گے۔ تاکہ مضمون قرآن کو ہم بہتر طور پر سمجھ پائیں۔ دریائے گنگا کے کنارے بلادِ ہند میں ایک مقام مشرقی ہند میں ہمالیہ پہاڑ کے دامن سے قریب ہے اسکولایک مکتب فکر کے لوگ ہری دوار کہتے ہیں اور دوسرے مکتب فکر کے لوگ اسی شہر کو ہر دوار کہتے ہیں۔ ہر دو گروہ اپنے عقیدے میں انتہائی راسخ العقیدہ

ہیں کوئی بھی دوسرے نقطۂ نظر کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ ہری یعنی وشنو دیوتا کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ مقام ہری کا دروازہ ہے۔ جبکہ "ہر" یعنی شیو دیوتا کے ماننے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ شیو دیوتا کا دروازہ ہے۔ ہر گروہ تقریباً چار ہزار سال سے زائد عرصہ سے اس عقیدے پر قائم ہیں بعض اوقات تاریخ ہند سے پتہ چلتا ہے کہ حق قبضے کیلئے بڑی شدید جنگ وجدال ہوئیں۔ کبھی ایک مکتب فکر غالب تو کبھی دوسرا مکتب فکر عجیب حسن اتفاق یہ ہے کہ یہ مقام جغرافیائی نقطۂ نظر سے ہری دوار بھی ہے اور ہردوار بھی ہے۔ صرف سمتوں کا فرق ہے۔ بلادِ ہند میں تین مکتب فکر مذہبی طور پر پائے جاتے ہیں جن میں سے مندرجہ بالا دو مکتب فکر زندہ ہیں تیسرا مکتب فکر تقریباً مفقود ہے۔ ورختم ذوالقرنین میں ہم اس مسئلہ پہ (تینوں) اسکول آف تھاٹس پر جو بلادِ ہند میں پائے جاتے ہیں۔ سیر حاصل بحث کریں گے اور ہندو میتھالوجی کے بنیادی خدوخال اور ان کا تاریخی پس منظر حتی الامکان مضبوط دلائل کے عوام الناس کے سامنے جذبہ خیرسگالی و یکجہتی کو پروان چڑھانے کے بنیادی مقصد کے پیش نظر پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ قصے مشہور میں کہ آپ سورج کے غروب ہونے کی جگہ سے بھی تجاوز کر گئے اور سورج مدتوں ان کے پس پشت غروب ہوتا رہا۔ یہاں پر ان بزرگوں کا خیال یہ ہے کہ

آپ کا سفر بحر ہند و بحر الکاہل میں جانب جنوب سمندر میں تھا جہاں پر آپ نے سمندروں کی گہرائی کی پیمائش کرائی اور سمندر کے سب سے انتہائی گہرے مقام پر حد سکندری قائم کی۔

یہاں پر بحر الکاہل بحر ہند کی وسیع وسعتوں اور گہرائیوں کی پیمائشوں کے

مقصد سے یہ سفر اختیار کیا گیا۔ وہ نیز یہ بات بھی ممکن ہو کہ آپ نے براعظم انٹارٹیکا تک یہ سفر اختیار کیا ہو۔ جیسا کہ ان بزرگوں نے حوالہ دیا کہ آپ سورج کے غروب کی جگہ سے بھی تجاوز کر گئے اور سورج مدتوں اُن سے پس پشت غروب ہوتا رہا۔ یہاں پر مدتوں تک سورج کے پس پشت غروب ہونے کے حوالے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے قطبِ جنوبی کے آخری سرے تک ایک کامیاب سفر اختیار کیا ہو گا۔

کیونکہ آپ کی طبیعت میں کھلا پن اور فطرت کی طبعی میلان کا یہ عین تقاضا تھا کہ آپ ایسی پرخطر مہم اختیار کرتے۔

ذوالقرنین اور اہل ہند

جیسا کہ قرآن کہتا ہے اور پاپا نزدیک اُس کے ایک قوم کو کہا ہم نے اُسے ذوالقرنین یا کہ عذاب کرے تو اُن کو چاہئے کہ پکڑے تو اُن کے بیچ بھلائی۔

یہ قوم اہل ہند سے تھی مقدس قرآن میں سورۃ الکہف میں دو بڑی اقوام کا ذکر آیا ہے ایک قوم کے بارے میں خدا خود یہ رائے قائم کرتا ہے کہ نہیں نزدیک تھے سمجھتے بات کو یہ بہت ہی اونچی سرزنش تھی خدا کی طرف سے اس قوم کے بارے میں بیشتر مفسرین کی رائے سطحی تھی مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں اس قوم کے بارے میں آیات الٰہی کا صحیح منشا اور اُس کے پس منظر سے واقف ہوئے بغیر رائے قائم کر لی گئی جو اس قوم کے ساتھ سراسر زیادتی پر مبنی ہے۔

دوسری اہم قوم جس کا ذکر ان آیات میں سب سے پہلے آیا ہے جو بعد میں خدا کے مقبول بندے کی رعیت میں شامل ہوئے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو اس بات کا اختیار عطا فرمایا کہ آپ چاہیں تو بھلائی اختیار کریں یا بُرائی دونوں باتیں ذوالقرنین کی اختیار تمیزی پر چھوڑ دی گئیں۔ خدا کے اس لطیف اشارہ سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں پہلی یہ کہ اس قوم میں بہت سے اشراف تھے جو بے حد دانشمند اور باشعور تھے جبکہ ہر قوم کی طرح اس قوم میں بھی کچھ اشرار تھے لیکن بحیثیت مجموعی پوری قوم میں بھلائی اور دانشمندی کی صفت غالب تھی۔ چنانچہ خدا نے ذوالقرنین جیسا برگزیدہ حکمران انہیں عطا فرمایا۔

اور اُن کو اس بات کا اختیار دیا گیا کہ اُن کے ساتھ بُرائی یا بھلائی اختیار کریں۔ جیسا کہ خدا کے مقبول بندے نے جواب دیا۔ جو شخص ظالم ہے۔ پس البتہ عذاب کریں گے ہم اور اسکو پھر پھیر جائے گا طرف پروردگار اپنے کہ پس عذاب کرے گا۔ اُس کو عذاب بڑا ابڑا۔ اور لیکن جو شخص ایمان لایا اور عمل کئے اچھے پس اُس کے واسطے بطریقہ جزاء کے نیکی ہے اور البتہ کہیں گے ہم اُسکو کام اپنے سے آسانی کا آیت اللہ سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ قوم بہت ہی خوبیوں کی حامل تھی۔

سکندر ذوالقرنین سے متعلق جتنے قصے ہیں ان سب قصے کہانیوں یا روایتوں میں اس قوم کی دانشمندی کا ذکر ہے۔ ابن عباسؓ نے روایت فرمائی ہے کہ ذوالقرنین نے اس تمدن میں مع لشکر کے کئی برس رہے۔ لوگوں کو خدا کی طرف دعوت کرتے رہے سب لوگ وہاں کے مطیع و فرمانبردار ہوئے۔ ذوالقرنین نے اُن پر نوازش بیش فرمائی قصص میں آیا ہے کہ جب وہ مغرب الشمس تک پہنچے تو وہاں ایک شہر ایسا پایا چار دیواری اُس کی روئیں کی تھی۔ اس کے اندر جانے کی راہ نہ تھی۔ تمام لشکر گرد اس کے پڑے رہے۔ اور بولے کس طرح اُس کے اندر جائیں بہر تقدیر کسی حکمت سے ایک آدمی کو اُس پار روانہ کر دیا لیکن وہ واپس نہ آیا اسی طرح متعدد بار آدمیوں کو روانہ کیا لیکن کوئی واپس نہ آسکا۔

چنانچہ اسی مقام کو اپنی سرحد بنا کر پھر مشرق کی طرف مراجعت کی ایک جزیرے میں آ پہنچے یہاں ایک شہر ایسا پایا کہ بے کشتی کے وہاں جانا محال تھا۔ اور اس شہر میں دانا عقلمند حکیم بہت تھے۔

جب اُن کو ذوالقرنین کی آنے کی خبر پہنچی تمام کشتیاں اس جزیرے سے لیکر چھپا دیں غرض ذوالقرنین مع لشکر لب دریا چند دن ٹھیرے کسی حکمت سے

دریا عبور کرکے اِس جزیرے میں جا اُترے وہاں کے لوگوں کو سوکھا دُبلا دیکھکر پوچھا تمہارے لاغر ہو جانے کا کیا باعث ہے انہوں نے کہا یہ ہمارے شہر کی غذائی تاثیر ہے ہم حکمت سے غذا کرتے ہیں خاصیت اس کی یہی ہے۔

پس وہاں کے حکمار نے ملک ذوالقرنین کی ضیافت کی تب اپنی حکمت سے غذا تیار کرکے ایک خوان بیرے جواہرات سے سجا کر ذوالقرنین کے سامنے لا رکھا اور الگ ہو گئے اور کہا کہ آپ تناول کیجئے انہوں نے کہا آپ بھی آئیں ہمارے ساتھ شامل ہو کر تناول فرمائیں یہ کہکر سرپوش خوان پر سے اُٹھا کر کیا دیکھتے ہیں کہ تاسگلی پر جواہرات سے ہے تب کہا کہ ہم کس طرح کھادیں گے یہ تو ہماری غذا نہیں ہے ان بسوں نے کہا تم اسی لئے یہاں تک آئے ہو اور یہی تمہاری غرض و مقصود ہے مگر یہ چیزیں بھوکوں کو نفع دیتی ہیں تم کو نافع نہیں اور ہم سے آپ کیا چاہتے ہیں۔

پھر یہاں سے ذوالقرنین ہندوستان آئے اور ایک قاصد شاہ ہند کے پاس بھیجا کہ جاکے کہو کہ ہمارے ساتھ اطاعت قبول کریں۔ تصصرا سے مندرجہ بالا حوالہ سے مقصد یہ ہے کہ ذوالقرنین درّہ خیبر سے ہوتے ہوئے دریائے سندھ کو عبور کرکے ہمالیائی ترائی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے کابل کے قریب سے ملنے والے کوہستانی خطہ ارض نے پوری طرح اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ذوالقرنین جیسی جدّت پسند اولعزم انسان کے لئے کوہستان ہمالیہ اور اُس کی ترائی کا علاقہ بے حد دلچسپی کا باعث بنا وہ اس عظیم پہاڑی سلسلہ کے ساتھ ساتھ سفر کرنے لگے اور آپ نے بار بار اس کوہستانی خطہ ارض کو پار کرنے کی کوشش کی لیکن آپ کو کسی مقام پر بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

ایک طویل سفر کے بعد جب وہ درّہ شتولہ کے قریب پہونچے تب انہیں

اس بات کا علم ہوا کہ اس درّے کے اُس پار بھی انسانی آبادی ہے اور وہاں تک پہونچنا بے حد دشوار تر ہے۔ اگرچہ آپ نے کئی آدمیوں کو اس درّہ کے اُس پار والے ملک تبت تک خبر لانے کے لئے بھیجا۔ لیکن کوئی بھی واپس نہ آیا بالآخر آپ نے اسکو اپنی سرحد قرار دے کر واپس جانب مشرق سفر کیا اور ہردوار اور ہردوار اور کاشی کے قریب دریا پار کرنے کی کوشش کی۔ جب کہ دریا کے دوسرے کنارے پر آباد شہریوں نے اپنی کشتیاں چھپا لیں۔ الغرض اسی ترکیب سے ذوالقرنین نے دریا پار کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ چونکہ یہ علاقہ ہمالیائی ترائی کے قریب ترین علاقہ تھا اور علم حکمت اور خاص طور پر علم طب کا بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے باشندے دانشمند تھے۔ طبعی اصولوں کو پیش نظر رکھکر اپنی غذا استعمال کرتے تھے۔ جیسا کے ذوالقرنین اور اہل شہر کے مکالمہ سے یہ بات واضح ہوجاتی۔ ذوالقرنین نے یہاں سے شاہ ہند کی دارالسلطنت کی طرف پیش قدمی کی بلادِ ہند کے یہ دانشور بالکل بے خبر تھے کہ ایک عظیم و برگزیدہ بادشاہت کی مراجعت یونہی بے کار نہ تھی۔ بلکہ اسمیں خدا کی کئی مصلحتیں پوشیدہ تھیں خدا اہل ہند پر ذوالقرنین کے وسیلہ سے اپنی نعمتوں کے خزانے کھولنے والا تھا جیسا کہ بعد کی تاریخ شاہد ہے۔ ذوالقرنین کی تسخیر کائنات کی مہم اور زمین پر خدائے تعالیٰ کے نئے اقتدار اعلیٰ کا تعین ان دانشوروں کی نظر سے اوجھل تھا چنانچہ انہوں نے بڑی شانِ بے نیازی کے ساتھ ذوالقرنین کی دعوت کی اور اس میں اپنے زر و جواہرات کے ذریعہ اپنے تمول کا اظہار کیا۔ اس طرح وہ بالواسطہ طریقہ پر ذوالقرنین کی سرزنش کرنا چاہتے تھے جبکہ خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چنانچہ یہاں سے حضرت ذوالقرنین ہند کے مرکزی شہر تک پہونچے جہاں شاہ ہند رہتا تھا۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس زمانے تک

شاہانِ ہند کو وہ مقام و مرتبہ حاصل نہ تھا۔ جیسا کہ ذو القرنین کے بعد کے ادوار میں شاہانِ ہند کو حاصل ہوا تھا۔ اُس زمانے میں شاہِ ہند کی حیثیت بالکل ایک علاقائی حکمران سے زیادہ نہ تھی۔ نہ اس زمانے میں اس ملک کے لئے لفظ ہندوستان یا ہند مستعمل نہیں ہوتا تھا۔ بعد کے زمانے میں عظیم و جلیل القدر شاہانِ ہند پیدا ہوئے جنکا اقتدار اعلیٰ مسلمہ تھا۔ ان شاہانِ ہند کے زمانے میں اس خطہ ارض کا نام ہند پڑا۔ اور بلادِ ہند کو اتنی بڑی مرکزیت حاصل تھی کہ جزائر شرق الہند و جزائر غرب الہند مشہور ہوئے۔ ایک عظیم سمندر کا نام بحرِ ہند مشہور ہوا۔ کروڑوں انسان لفظ ہند سے ہندوستانی کہلائے۔ جدید اقوام کا یہ نظریہ کہ لفظ سندھ سے لفظ ہند مشہور ہوا۔ قطعی طور پر غلط ہے۔ جن کو ٹھوس تاریخی شہادتوں سے غلط ثابت کیا جاسکتا ہے۔ زمانہ قدیم سے ہی لفظ ہند اور لفظ سندھ اقوامِ ہند استعمال کرتے رہے۔ کچھ عرصے کے لئے بلادِ ہند کے ایک مخصوص خطہ کا نام جمہودیپ رہا۔ اس زمانے میں بھی پورے برصغیر کو بلادِ ہند ہی کہا جاتا رہا۔ لفظ ہند اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ اہلِ ہند کی تہذیب جو اپنے زمانے کی سب سے بڑی متمدن تہذیب تھی۔ اس عنوان پر ورثائے ذو القرنین کے بیان میں خود بخود روشنی پڑے گی۔

بموجب قصص ذو القرنین نے شاہِ ہند کے پاس اپنے قاصد روانہ کیے اور کہلا بھیجا کہ شاہِ ہند سے کہو کہ ہمارے ساتھ بہت ہی لشکر ہے۔ ہم نہیں چاہتے ہیں کہ تمہارا ملک برباد ہو اور ہم تم سے لڑائی کریں۔ پس تمہیں لازم ہے کہ ہماری اطاعت میں آؤ اور خراج قبول کرو۔ تب اُن قاصدنے جا کہ شاہِ ہند سے یہ باتیں کیں کہ آپ چل کے ہمارے بادشاہ کی باتیں قبول کریں اور ایک ایلچی اپنی طرف سے اُن کے پاس بھیج دیں کہ جہاں پناہ کو چل کے استقبال کرکے لائے۔

تب شاہِ ہند نے تعظیم و تکریم سے ایک ایلچی معہ تحفہ و ہدایا۔ دے کر ذوالقرنین کے پاس بھیجا جب ایلچی نے جا کہ تحفہ ہدیہ اور نذریں جو ذوالقرنین کو گذاریں تب آپ نے حکم دیا کہ اُسکو لیجا کہ اچھی طرح رہنے کو جگہ دو بعد تین دن کے میرے پاس حاضر کرو۔ تب حسب الحکم ملازموں نے اسکو لے جاکے اچھی طرح سے ایک جگہ پر رکھا بعد تین دن کے حضرت کی ملازمت میں حاضر کیا ذوالقرنین نے اسکو دیکھ کر سر اپنا نیچا کیا اور ایلچی نے اسکندر کو دیکھ کر اُنگلی اپنی ناک کے نتھنوں میں ڈال کر پھر نکالی اور بغیر کچھ کہے بولے کسی سے اپنی جگہ پر چلا گیا۔ خواصوں نے یہ حال دیکھ کر اسکندر سے عرض کیا اے خداوند حضور نے شاہِ ہند کے ایلچی کو دیکھ کر سر اپنا نیچا کیا اور اس نے حضور کو دیکھ کر اُنگلی اپنی ناک کے سوراخ میں ڈال کر پھر نکالی اور بغیر کہے بولے کسی سے اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اس کا کیا بھید ہے فرمایا میں نے اسکو دراز قد دیکھ کر سر اپنا فرد کیا یہ بات سب کو معلوم ہے کہ لمبے قد کا آدمی احمق اور بیوقوف ہوتا ہے اور اس میں جو اپنی ناک کی سوراخ میں جو اُنگلی رکھی تھی یہ میرا طالعِ سکندری دیکھ کر پھر جاؤ اسکو میرے پاس لے آؤ اور کھانا کھلاؤ وہ بزرگ آدمی ہے ملازم اسکو پھیرے آیا اور کھانے کو صرف روٹی اور گھی بھیج دیا اُس کی عقل آزمانے کو اور وہ کھا گیا اور ایک سوئی اس میں رکھ کر سکندر کے پاس بھیجا اور سکندر نے اس سوئی کو سیاہ رنگ کر کے اُسے روٹی اور گھی پر رکھ کر اُس کے پاس بھیج دی اور اس نے پھر ایک ٹکڑا آئینہ کا اُس پر رکھ کر ذوالقرنین کے پاس بھیج دیا۔

پس یہ ماجرا خواصوں نے دیکھ کے ذوالقرنین سے عرض کیا اے جہاں پناہ اس میں کیا حکمت ہے بولے روٹی اور گھی دینے کا مجھ کو یہ مطلب یہ تھا کہ مرد علم اور حکمت میں خوب ہوتے ہیں جیسے روٹی ساتھ گھی کے اور جو روٹی گھی پر سوئی

رکھکر بھیجی تھی یہ سمجھ کر کے وہ علم و حکمت میں خوب ہے۔ پھر میں نے اُسکی سوئی کو سیاہ رنگ کر کے جو بھیجی ہے۔ یہ مطلب تھا اسکا علم اور حکمت بغیر عقل کے تیرہ و تاریک وہ بے قیمت ہے پھر اُس نے یہ سمجھ کر روئی اور آئینہ بنا کر میرے پاس بھیجا کہ وہ علم و حکمت میں مانند آئینہ صاف روشن ہے۔ مندرجہ بالا واقعات سکندر ذوالقرنین کے متعلق تمام کتابوں میں ملتی ہیں۔ بعض متعدد واقعات سکندر ذوالقرنین کے سفروں سے متعلق بھی بیان کئے گئے ہیں۔ یہ تمام اس بات کے غمازی ہیں۔ ماضی بلاد ہند میں ایک دانشمند قوم تھی۔ جنکا اپنا ایک حکمران تھا۔ جس نے کمالِ دانشمندی کے ساتھ حضرت ذوالقرنین کے ساتھ صلح و صفائی کر لی اور ذوالقرنین کا حلقہ بگوش بن گیا۔ شاہِ ہند کا مرکز سلطنت مشرق ہند میں پاٹلی پترا یا پٹنہ کے قریب و جوار میں تھا۔ شاہِ ہند کی ایلچی اور ذوالقرنین کے درمیان مخفی اشارات میں یہ گفتگو سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اہل ہند اُس زمانہ قدیم میں بھی سوئی کے بنانے اور اس کے ذریعہ کپڑے پہننے سے واقف تھے۔

جیسا کہ بعض محققین کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل اہل ہند کپڑوں کے سینے سے ناواقف تھے یہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے۔ دوم یہ کہ ذوالقرنین کو سفیر ہند نے آئینہ پیش کیا آئینہ کی ایجاد اس بات سے ثابت ہوتی ہے کہ سب سے پہلے وہ آئینہ بنانے کے فن سے واقف تھے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اہل ہند کیمیا گری میں کمال رکھتے تھے چنانچہ اہل ہند کے اس صنعتی کمال سے فائدہ اٹھا کر نقاشانِ چین کو ذوالقرنین نے بیوقوف بنایا۔ اہل چین کو اپنی نقاشی پر بڑا ناز تھا۔ حقیقی صورت حال بھی یہ ہے کہ اہل چین کو ماضی بعید نے فن نقاشی میں بڑا کمال حاصل کیا تھا۔ ذوالقرنین کی مہربانیاں اہل ہند کے ساتھ بے پناہ تھی چنانچہ انہوں نے ایک مرتبہ نقاشانِ ہند و چین کا مقابلہ کروایا۔

ایک بڑے وسیع و عریض میدان میں درمیان سے پردہ کیا گیا۔ پردہ کے ایک طرف نقاشانِ چین اپنے فنِ نقاشی کا بے انتہا محنت و کمال فن کے ساتھ مظاہرہ کر رہے تھے جبکہ دوسری جانب اہل ہند بڑی بے فکری کے ساتھ صرف ایک خوبصورت آئینہ آویزاں کرنے میں مصروف رہے۔ وقتِ مقررہ کے بعد جب چینی نقاشوں نے اپنا کام تمام مکمل کر لیا تب بحکم ذوالقرنین درمیان سے پردہ اٹھایا گیا۔ تب باکمال نقاشانِ چین کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے اپنی ہی نقاشی کو دوسری دیوار پر موجود پایا۔ چونکہ اہل چین اسوقت آئینہ کے استعمال سے واقف نہ تھے اس لئے انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ الغرض سکندر ذوالقرنین نے دو مرتبہ ہند کی سرزمین میں گذارے۔ پہلا دورہ آپ کا سب سے پہلی مہم جوئی کا ایک حصہ تھا جبکہ آپ کا دوسرا دور تسخیر وسطِ ایشیا منگولیہ و چین وہ تعمیر سدِ سکندری کے دوران ہوا۔ پہلے دورے ہند کا مقصد تسخیر بلادِ ہند و بحر ہند و بحر الکاہل کے سمندری علاقوں کی تسخیر تھی۔ جبکہ آپ کا دوسرا سفر نے خدا بامعنیٰ ذوالقرنین کی طویل مدّتی حکمتِ عملی کا مظہر تھا۔ آپ اپنی اولاد کیلئے ایک محفوظ و عمدہ مقام کی تلاش میں تھے۔ تاکہ آپ کے بعد آپ کی نسل میں ایک مضبوط سلطنت باقی رہے اور آپکی اولاد فلاحِ نسلِ انسانی کی خدمت بھی بڑے ہی سکون اور اطمینان کے ساتھ کر سکے۔ چنانچہ تعمیر سدِ سکندری کے بعد آپ نے اپنی پوری توجہ زمین کی جغرافیائی ساخت اور اس کی طبعی ہیئت ترکیبی کی جانکاری پر لگادی آپ اس بات سے خوب واقف تھے کہ ایک عمدہ جغرافیائی مقام پر ہی ایک اعلیٰ درجہ کا شہر بسایا جا سکتا ہے۔ تعمیر سدِ سکندری اور شہر اسکندریہ وہ شہر ایلیا (ایروشلم) کے تعمیر کے دوران آپ کو بہت سارے کارآمد تجربات حاصل ہو چکے تھے۔ خدا نے آپ کو بڑی فراخی کے ساتھ درازیٔ عمر

بخشی تھی۔ آپکی کل عمر ٥١٥ سال تھی، آپ نے اس طویل عمر کا بڑی خوبی سے فائدہ اٹھایا۔ مصر آفریقہ میں شہر اسکندریہ کی بندرگاہ ایشیاء میں ایلیا شہر (ایروشلم) برصغیر میں دریائے سندھ کے کنارے کراچی کی بندرگاہ بلاد ہند اور چین میں دو عظیم شہر بنائے بلاد چین کا شہر موجود دیوار چین کے قریب موجودہ شہر پیکنگ کے قریب شاید اسی مقام پر واقع تھا۔ جب کہ بلادِ ہند میں آپ کا بنایا ہوا شہر ایک خوبصورت پہاڑی پر تین طرف سے چھوٹی پہاڑیوں اور ایک طرف سے دریا سے گھرا ہوا تھا یہ مقام بذاتِ خود ایک انتہائی عمدہ محل وقوع پر واقع تھا جب آپ نے اِسی مقام کو زمین پر اپنے اقتدار اعلیٰ کا مرکز بنا لیا تو تب قوم ذوالقرنین اس فیصلہ سے بے حد ناراض ہوئی اور اس نے مغربی ایشیاء سے ایک عظیم لشکر کے ساتھ اس دارالسلطنت کو پامال کر ڈالا۔ حضرت ذوالقرنین نے اس بات سے کافی ناراض ہوئے انہوں نے ایک طویل مدتی حکمت عملی اختیار کر لی اور اپنے پہلے دارالسلطنت سے تقریباً ٥ میل کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان ناقابل تسخیر ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور ایک عظیم الشان شہر تعمیر کیا۔ آپ نے اپنے لئے ایک بلند کوہ پر جاہِ پناہ لی اور ایک ایسا لاثانی شہر دامن کوہ پر بسایا جس کے سامنے شداد کی جنت بھی کسی کام کی نہ تھی۔ آپ ہر روز الصبح اِس شہر کا نظارہ اپنی کوہ رفیع الشان سے کرتے اور اپنے پیشرو متکبر ناشکرے اور نامراد حکمران شداد کے مقابل جس نے قوم عاد پر حکومت کی اور اپنی دانست میں ایک جنت بھی بنالی تھی اور تکبر کے ساتھ اپنی جنت میں داخل ہونا چاہا اور غضب خداوندی کا شکار ہوا نامراد اس دنیا سے اُٹھا لیا گیا۔ ذوالقرنین سجدہ شکر بجا لاتے اور اپنے آپ کو اپنے رب کے بے حد شکر گذار بندے ہونے کا اقرار کرتے

ایسا ہی ایک دوسرا واقعہ تاریخی طور پر تاریخ ہند میں پایا جاتا ہے مغل شہنشاہ

شاہ جہاں نے روئے زمین کا بے مثال تخت تخت طاؤس بنوا کر بھرے دربار میں اپنے درباریوں کے سامنے یوں گویا ہوئے کہ اے درباریو گواہ رہو کے فرعون نے آبنوس کے تخت پر بیٹھ کر کفر کرتے ہوئے خدائی کا دعویٰ کیا تھا آج میں تم سب کے سامنے خدا کا ایک ادنیٰ بندہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ اُمتی ہونے کا اقرار کرتا ہوں اس کے بعد وہ اس تختِ طاؤس پر جلوہ افروز ہوئے۔

شہر صُور

حضرت ذوالقرنین کا یہی دارالسلطنت مشرق وسطیٰ کے ممالک میں شہر صور کے نام سے مشہور ہوا۔ شہر صور کا محل وقوع اتنا عمدہ اور اس کی تعمیر ایسی منصوبہ بند تھی کہ طاقتور سے طاقتور لشکر بھی شہر صور کے حفاظتی دائروں میں داخل ہو کر تباہ و برباد ہو جاتے تھے۔ شہر کی تعمیر میں اسے اعلیٰ انجینیروں نے اطراف شہر آٹھ ایسے وسیع حفاظتی دائرے بنائے تھے کہ کسی زمینی لشکر کا ان دائروں میں داخل ہونا اور بچ کر واپس نکلنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ذوالقرنین کے بنائے ہوئے شہر صور نے ۱۶۰۰ برس تک ورثائے ذوالقرنین کو مکمل تحفظ کیا۔

شہر صور اسم بامسمّٰی تھا۔ لفظ صور کے معنی ہیں گھیرا ہوا محفوظ کیا گیا، حفاظت کیا گیا۔ عربی ادب میں اس لفظ کی اصل سورت سے ہے جس کے معنیٰ ہیں گھری ہوئی۔ محفوظ کی گئی۔ حفاظت کی گئی۔ سارے عرب و عجم کے ممالک میں اس شہر کے لئے لفظ صور ہی استعمال ہوتا تھا۔ جبکہ اہل ہند اس لفظ کو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ادا کرتے جس کی وجہ سے اس میں ایک اور معنویت پیدا ہو جاتی تھی۔

روئے زمین پر شہر صور کے محل وقوع کے بارے میں زبردست غلط فہمی پائی جاتی تھی۔ اکثر لوگوں نے شاہ سلیمانؑ کے بنائے ہوئے شہر

حاتور سے یہ غلط رائے قائم کر لی کہ شہر صور بھی لبنان یا شام میں کا کوئی شہر ہوگا۔ جبکہ حقیقی بات یہ تھی کہ شاہ سلطان علیہ السلام نے اپنے ملکی ضرورتوں کے لئے شہر صور کی طرح ایک محفوظ و مضبوط شہر بنانا چاہتے تھے جس میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی چنانچہ انھوں نے حاتور کے نام سے ایک شہر بسایا۔ یہ ایسا محفوظ عمدہ جغرافیائی محلِ وقوع پہ واقع شہر تھا جس کو فتح کرنے کے لئے سکندر اعظم مقدونی کو کئی ہفتے درکار ہوئے۔ ذوالقرنین کا دارالسلطنت شہر صور جو اعظیم متضاد جغرافیائی قطعوں پر مشتمل دو دائروں کی شکل میں تھا۔ پہلے دائرے میں جو کوہستانی سطح مرتفع پر مشتمل تھا آٹھ حفاظتی دائرے بڑی عمدگی سے بنائے گئے تھے۔ یہ دائرے صرف حفاظتی مقاصد کے لئے بنوائے گئے تھے۔ دوسرا دائرہ بذاتِ خود شہر صور تھا۔ یہ قطعۂ ارض ایک وسیع و عریض سطح میدان کی شکل میں تھا اور شاید اس زمانے میں روئے زمین کا سب سے بڑا اور سب سے خوشحال شہر رہا ہوگا۔ انتہائی عمدہ آب و ہوا پانی اور دیگر اشیاء ایحتیاج کی بہتات سطح سمندر سے تقریباً ڈھائی ہزار فیٹ بلند شہر صور کے دائرے اور دوسرے حفاظتی دائرے کے مقام اتصال پر ایک غیر معمولی عظیم الشان چٹان پائی جاتی ہے۔ اور اس چٹان کے عقب پہ شہر صور سے کئی سو فٹ کی بلندی پر ایک مختصر علاقہ تھا اور شاید یہی وہ چٹان ہے جس کی غیر معمولی نوعیت اور اس چٹان میں پایا جانے والا جاہ و جلال اس بات کا غمازی ہے کہ یہی چٹان حضرت ذوالقرنین کا مدفن ہے اور شاید آپکی زندگی میں بھی اسی چٹان پر آپ کا مسکن رہا ہوگا۔ یہاں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس چٹان کے دو کلو میٹر کے فاصلے پہ ایک عظیم کوہ مصنوعی طور پر بنایا گیا ہے۔ اور ایسے عمدہ جغرافیائی موقف پر یہ کوہ بنایا گیا ہے کہ اسکے

قدرتی ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن درحقیقت یہ ایک مصنوعی کوہ ہے جو ورشاہ ذوالقرنین کے زمانے میں بنایا گیا ہے۔ اس کوہ کی عجیب و غریب کیفیت یہ ہے کہ یہ شہر صور سے کئی سو فیٹ بلند اور پورا شہر تور اور شہر تور کے دوسرے عظیم حفاظتی دائرے جسمیں آٹھ دائرے ہیں بیک وقت اس کوہ سے سب پر نظر رہتی ہے۔ ورشا ذوالقرنین نے بعض عجیب و غریب جنگی اصولوں کو اس کی تعمیر میں پیش نظر رکھا تھا‘ اسی کوہ پر انہوں نے ایک چٹان پر ایک کتبہ لکھوایا ہے اور اس کتبے کے نیچے اپنے قومی نشان کو پیش کیا ہے۔ عجیب و غریب و حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ اسی کوہ پر ایک عظیم الشان ببر بنایا گیا ہے اور اس کے بنانے کا خاص مقصد ان کے پیش نظر تھا۔ وہ یہ کہ ان کا یہ نظریہ تھا کہ زمین پر مقتدر اعلیٰ طاقت کے ساتھ ایک غیبی طاقت، ہمیشہ تائید و اعانت کرتی رہتی ہے‘ اس کو ورشاہ ذوالقرنین نے ببر کی شکل میں پیش کیا ہے۔ جبکہ اور قومیں مختلف جانداروں کے ذریعہ اس نظریئے کا اظہار کرتی رہی ہیں۔ مثلاً اہل یونان نے اپنے بادشاہوں کے سر پہ جو تاج پیش کیا خاص طور پہ سکندر اعظم مقدونی کے سر پہ جو تاج ہے اس میں ایک بل کھائے ہوئے نوجوان اژدہے کی تصویر کو پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ کہ بعض یونانیوں نے اسکو ہما پرندے سے بھی تشبیہ دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ تصور چینیوں کا ہے۔ جنہوں نے اژدہے کو اقتدار اعلیٰ کے اظہار کے لئے پر لگا دیئے اور یہ چینی ڈریگن کہلانے لگا۔ درحقیقت بعد کے چینی آرٹسٹوں نے اسی ڈریگن سے ہما کا تصور اخذ کیا۔ ہما پرندہ اقبال مندی کی یقینی علامت ہے‘ لیکن یونانی سکندر اعظم کے سر پر پایا جانے والا تاج صرف ایک بل کھائے ہوئے حملہ آور اژدہے کی

غمازی کرتا ہے۔ آلِ عثمان کے مشہور خلیفہ واثق باللہ جنہوں نے کئے مہمیں سد سکندری کی تلاش میں روانہ کی تھیں لیکن وہ ہمیشہ اپنے ساتھ ایک ببر کو رکھتے اور یہ ببر ان سے اتنا مانوس تھا کہ رات میں کبھی بھی کسی کو ان کے پاس پھٹکنے نہ دیتا تھا۔ ایکبار ان کے غلاموں نے جو ان کے دشمنوں سے ملے ہوئے تھے ببر کی غیر موجودگی میں ان پر حملہ کیا اور انھیں شہید کر ڈالا اسطرح ایک اور واقعہ خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمرؓ ابنِ خطاب کا ہے۔ جب آپ ایک ویرانے میں آرام فرما رہے تھے۔ ایک دشمن آپ کو شہید کرنے کے ارادے سے حملہ آور ہوا لیکن جیسے ہی وہ قریب پہنچا کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر آپ کی حفاظت کر رہا ہے۔ مارے خوف کے وہ کانپ اٹھا۔ خلیفہ کی آنکھ کھل گئی۔ یہ مشہور واقعہ بہت سی کتب میں ملتا ہے۔ ورثائے ذوالقرنین بھی چونکہ اپنے آپ کو مقتدرِ اعلیٰ اور مقامِ صدق پہ فائز حکمران سمجھتے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے حکمران کے جائے قیام کے عین سرہانے ایک عظیم الشان ببر کے تصور کو پیش کرنے کی کوشش کی الغرض شہرِ صور کے دائرے اور اس کے حفاظتی دائرے چاروں طرف سے بڑے بڑے گھنے جنگلوں سے گھرے ہوئے تھے جو سینکڑوں میل تک پھیلے ہوئے تھے۔ خود شہرِ صور کا دائرہ تقریباً سو مربع میل تک پھیلا ہوا ہے اور جب کہ اسکے حفاظتی دائرے سولہ سو مربع میل کے قریب پھیلے ہوئے ہیں ان دائروں کی بیکراں وسعت ان کی بربادی کے بعد ان کی شناخت میں حائل رہی اور خود ورثائے ذوالقرنین نے اپنے زمانۂ اقتدار میں اتنے بڑے وسیع و عریض شہر کو دنیا والوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا۔ بہ الفاظ دیگر اقوامِ عالم کے علم با شندوں کی رسائی اس شہر تک سخت حفاظتی انتظامات اور سخت

ملکی قوانین کی وجہ سے نہ ہو پاتی تھی۔ بے پناہ خوشحالی کے باوجود اس شہر میں داخل ہونا یا اس شہر کی شہریت پانا ممکن نہ تھا۔ صرف اعلیٰ طبقہ اور اشراف کے منتخبہ گروہ یا افراد یا علماء و فضلاء کے گروہ جن کا علم و فضل ظاہر ہو چکا ہوتا، اس شہر میں داخلے کے مستحق قرار پاتے تھے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا حضرت ذوالقرنین اس شہر کو قوم عاد کے بادشاہ شداد کی بنائی ہوئی جنت کے جواب میں بنوایا تھا۔ شداد کی جنت سے کئی گنا بڑا اور وسیع و عریض شہر جسمیں صرف اشراف و صالحین کو ہی شہریت دی جاتی ورثائے ذوالقرنین نے اپنے جد کے اس اصول کو اور اس شہر کی تعمیر کے مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ صرف صالحین و ذاکرین اور علماء و فضلاء کے لئے اپنی آنکھیں بچھائیں، درحقیقت وہ اس طرح ایک اعلیٰ وارفع قسم کے تہذیب و تمدن کو نسل انسانی کے مفاد میں انقلابات زمانہ سے بچائے رکھنا چاہتے تھے۔ شہر صُور کے اندر بڑی بڑی نہروں کو کاٹ کر وسیع و عریض دریاؤں کا سماں باندھا گیا تھا۔ شہر میں داخلے کے لئے نو ذرے بنائے گئے تھے۔ جو شہر کے دروازوں کا کام دیتے تھے۔ یہ نو دروازے ایک عجیب و غریب حکمت کے تحت بنائے گئے تھے اور ان کا استعمال بھی بڑی حکمت سے ہوا کرتا تھا۔ یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ انسانی جسم میں پائے جانے والے نو سوراخوں کی طرح ان دروں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ ان میں دو دروازوں کا انسانی جسم میں پائے جانے والے دو افضل دروازوں کا یعنے دو آنکھوں کی طرح مستعمل ہوتے تھے۔ یہ دو دروازے صرف حکمرانوں کی آمد و رفت کے لئے استعمال ہوتے تھے۔

ان دونوں میں یہ تفریق تھی کہ پہلی آنکھ یا دروازہ بادشاہ کی آمد و رفت کیلئے

مختص تھا۔ جبکہ دوسری آنکھ یا دروازہ بادشاہوں کے انتقال کے موقعہ پر جلوس جنازہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اسی آنکھ یا دروازہ کی عین راہ میں شاہی قبرستان تھا جو آج بھی محفوظ ہے ان حکمران کا عقیدہ تھا' کہ جس انسان کی روح آنکھ سے نکلتی ہے وہ نیک بخت اور خاتمہ بالخیر والا ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے وہ اپنے بادشاہوں کا جلوس جنازہ اسی دیدے یا دروازے سے باہر لے جاتے تھے۔ علماء' فضلاء' عقلاء' دانشور اور فنکاروں کے لئے شہر کے دوسرے دو دروازہ جو مثل کان تھے' مستعمل ہوتے تھے۔ فوج کے سرداروں' جرنیلوں' سپہ سالاروں اور سارتھیوں کے لیے جو سب سے بڑے عہدیدار ہوتے تھے کے لئے وہ دروازے مستعمل ہوتے تھے جو مثل ناک کے تھے۔ اسی طرح شہر کے تمام شہریوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے جو درّہ یا دروازہ استعمال ہوتا تھا وہ مثل منہ کے ہوتا تھا۔ الغرض شہر نور اپنے اطراف کی سطح مرتفع سے کئی سو فیٹ نیچے ایک مسطح و وسیع و عریض میدان پر محیط تھا۔ جہاں انتہائی عمدہ قسم کی آب و ہوا پائی جاتی تھی۔ خاص طور پر ہوا کا بہاؤ اس قوت کے ساتھ اس علاقے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری رہتا تھا جو ایک صحت بخش انسانی زندگی کیلئے بیحد کارآمد ہوتا ہے' ورثائے ذوالقرنین کے بتائے ہوئے اس مصنوعی کرہ پر میں نے تاریک سے تاریک رات میں بھی روشنی کی ہلکی سی چادر محسوس کی اس کی وجہ میری سمجھ میں نہ آسکی۔ شاید بلندی کی وجہ سے ایسا ہو یا کوئی اور وجہ باطنی ہو۔

دوسرے عظیم حفاظتی دائرے میں آٹھ حفاظتی دائرے ہیں ہر دائرے کی ایک خاص قسم کی علامت مقرر ہے اور یہ آٹھ دائروں کے والی آٹھ

علیحدہ علیحدہ جلیل القدر امراء ہوتے تھے اور ہر امیر اپنے دائرے کی خاص علامت کے مطابق ایک خاص علاقے کا حکمراں بھی ہوتا تھا جس کے فرائض منصبی میں اس دائرے کی حفاظت ہوتی تھی۔ مثلاً پہلے دائرے کا امیر ایک وسیع و عریض علاقے کا حکمراں ہوتا تھا۔ اس پہلے حفاظتی دائرے کی علامت کنول کا پھول ہے۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس حفاظتی دائرے کے مرکز پر ایک عظیم و مہیب کنول کے پھول کو پتھروں کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ اس کنول کے پھول کا قطر تقریباً نصف کلو میٹر کے قریب کا ہوگا یا کم و بیش اور اس کنول کے پھول کے ساتھ ایک کنول کی کلی بھی بنی ہوئی ہے۔ اس کنول کی جنگی نقطۂ نظر سے سب سے اہم اسٹراٹیجی ہے جب تک دشمن اس کنول کے پھول کے اندر سے کامیاب و کامران پیش قدمی نہ کرے شہر صور کی طرف بڑھ نہیں سکتا تھا۔ کنول کا پھول چاروں طرف سے بالکل محفوظ کردیا گیا ہے ایک مضبوط بند درے اور ایک کھلے درے کے ذریعہ دشمن کو آگے کی طرف پیشقدمی کی دعوت دیتا ہے۔ یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جب بھی ایمرجنسی کی صورت حال پیدا ہوتی، دشمن کی فوجیں شہر صور کی طرف پیشقدمی کرتیں۔ اس وقت سب سے پہلے یہ حفاظتی اقدام کیا جاتا تھا کہ ما باقی ساتوں دائروں کے لشکر بڑی خوبصورتی کے ساتھ پہلے سے بنائے گئے پناہ گاہوں میں روپوش ہوجاتے اور ساتوں دائرے ایک سنسان جنگل کا سماں پیش کرتے۔ دشمن کو دوسرے ساتوں دائروں کا شائبہ بھی نہیں ہوتا اور یکے بعد دیگرے دائرے حسب ضرورت دشمن کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ ساری مساعی دفاع کا مرکز۔ پہلا حفاظتی دائرہ کنول کا پھول ہی قرار پاتا اور دشمن کو ایسا حسین دھوکہ اس کنول کے پاس ہلچل پیدا کر کے اور شان و شوکت مظاہروں کے

ذریعے دیا جاتا تاکہ دشمن یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا کہ یہی مقام ان کی منزل مقصود ہے جب دشمن کی توجہ پوری طرح اس کنول کے گرداگرد مرکوز ہو جاتی اور دشمن اپنی بھاری طاقت جمع کر لیتا، تب دونوں درے بند کر دیئے جاتے۔ پہلے دشمن کو رسد اور کمک سے محروم کر دیا جاتا اور چاروں طرف سے گھیر کر پہلے سے ہموار کی گئی زمینوں میں ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اس کنول والے دائرے سے دو بڑے مشہور واقعات منسوب ہیں، پہلا یہ کہ سیتی پور نے شاہ جمشید کا قتل ضحاک کی مدد سے یہیں پر کیا (ضحاک تاریخ عالم کی ایک بہت بڑی پُراسرار شخصیت ہے جسکو مخالفت کی بنیاد پر مشتبہ و پُراسرار بنا دیا گیا ہے)

دوسرا مشہور واقعہ جو اس مقام سے منسوب ہے وہ یہ ہے کہ شاہ ہند پاک شاسن نے بعض قانونی وجوہات کی وجہ سے تخت سے معزول ہو کر اس کنول کی ڈنڈی میں پائے جانے والی غاروں میں روپوشی اختیار کی تھی اور یہیں سے اس نے ملکۂ ہند سیتھی سے رابطہ قائم کیا اور سیتھی کی مدد سے دوبارہ شاہ ہند کے جلیل القدر مرتبے پر فائز ہوا اور اپنا تخت و تاج واپس حاصل کیا۔

ذوالقرنین نے سب سے پہلے بلاد ہند میں اسی مقام کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ جو ان کی قوم یعنے آل اسحاق کی عظیم یلغار کا شکار دینا۔ جس کے بعد حضرت ذوالقرنین نے شہر صور کو بسایا۔ الغرض دوسرے دائرے کا قومی نشان اژدھا ہے۔ اس نشان کو بڑی کامیابی کے ساتھ تقریباً چالیس فیٹ سے زائد ایک اژدھے کے منہ کی شکل میں پیش کیا گیا ہے جو خالص پتھروں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے۔ ایک منہ کھولا اژدھا جس کے دونوں جبڑے اور دونوں تیز دانت خوبی سے بتلائے گئے ہیں۔ ہم طوالت کے ڈر سے

اس عظیم جنگی دائرے کے بیان کو مختصر کر رہے ہیں۔

تیسرے دائرے کا نشان کچھوا ہے جو کئی سو فٹ بلند اور طویل ہے۔ یہ دائرہ ایسے مقام پر بنایا گیا ہے جہاں سے دشمن کا اژدھے والا دائرہ پوری طرح اس کی زد میں ہے۔ چوتھا دائرے کا نشان ایک وسیع و عریض میدان کے وسط میں ایک مینڈک کی شکل میں ہے۔ جو بہت بلند ہے۔ یہاں پر ایسی جنگی حکمت عملی اختیار کی گئی ہے کہ جس طرح ایک مینڈک اپنی زبان سے شکار کر پکڑتا ہے اور نگل جاتا ہے۔ ایسا ہی یہاں پر کیا گیا ہے مینڈک کی شکل میں موجود ایک عظیم کوہ کے دامن میں رتھوں کے جتھے دشمن کی تاک میں تیار رہتے تھے اور اس کوہ سے کھلے میدان تک ایسی چھوٹی چھوٹی میدانی پٹیاں بنائی گئی ہیں کہ یہ رتھوں کے جتھے دشمن کے سر پر کھلے میدان میں آن گرنے تک انہیں خبر ہی نہیں ہوتی مینڈک کی لمبی زبان کی طرح یہ رتھوں کی ٹکڑیاں دشمن پر ٹوٹ پڑتیں اور انہیں روند ڈالتیں اس طرح دشمن کو بے حساب جانی نقصان پہنچایا جاتا القصہ مختصر اسی مینڈک کے عقب پر بائیں جانب ایک دوسرا دائرہ جسکا نشان ناگ سانپ ہے۔ یہ ناگ پھن کھولے بیٹھا ہے مینڈک اور ناگ کے درمیان ایک ترچھی میدانی پٹی بنائی گئی ہے جو راست ناگ کی زد میں ہے جیسے ہی دشمن آگے بڑھے یہاں کے تیر انداز دشمن پر بارش کی طرح تیر برسا دیتے ہیں اور پوری قوت سے دشمن کی پیشقدمی کو دانستہ طور پر روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ درحقیقت انکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح دشمن اس دائرے کے اندر داخل ہو جائے اور وہ اس دائرے میں اپنی پوری طاقت مجتمع کر لے۔ ایسی صورت میں وہ دشمن پر پیشقدمی کرتے ہوئے

باز کی طرح جھپٹ پڑتے یہاں پر دشمن کی حیثیت وہی ہو جاتی ہے جو ایک باز کے سامنے ایک ناگ سانپ کی ہوتی ہے یعنے ناگ باز کا تر نوالہ بن جاتا ہے۔ یہاں پر ایک بڑا باز بنایا گیا ہے جو ناگ پر جھپٹ پڑ رہا ہے۔ یہ باز تقریباً بیس فٹ لامبا اور دس فٹ سے زائد چوڑے پتھر سے بنایا گیا ہے۔ ساتواں دائرہ ایک وسیع و عریض میدان کے عین وسط میں ایک ریچھ کی شکل میں ہے۔ یہاں کس طرح لڑائی ہوتی تھی اسکا مجھے اندازہ نہیں ہو سکا۔ ایسا معلوم پڑتا ہے شہر صور کی طرف جنوبی سمت میں پیشقدمی کرتے ہوئے دشمن پہ عین عقب سے حملہ کیا جانا مقصود ہو۔ آٹھواں دائرہ انتہائی پراسرار اور بڑی حکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے اس دائرے کے دہانے پر ایک مخصوص قسم کی محفوظ پٹی بنائی گئی ہے اور یہ مقام بلندی پر ہے یہاں پر دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے ہموار راستہ بنایا گیا ہے۔ دشمن یہاں پہ پائی جانے والی پٹی میں ایک زبردست لشکر کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتا ہے اور پوری طاقت سے اس مصنوعی راستے کی طرف پیشقدمی شروع کر دیتا ہے۔ جب دشمن پوری طاقت کو مجتمع کر کے آگے بڑھتا ہے۔ تو اس وقت مساعی دفاع میں مصروف لشکر اچانک پسپائی اختیار کر لیتا ہے اور جس سے فائدہ اٹھا کر دشمن اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں تک اسکو پہنچانا مقصود ہوتا ہے یہاں پہ جنوبی سمت میں شہر صور کی جانب تین بڑے بڑے مٹی کے بلند ٹیلوں کا سلسلہ بنایا گیا ہے۔ پسپا ہونے والا لشکر ان ٹیلوں پر مضبوطی سے جم جاتا ہے۔ لشکر اور دشمن کے درمیان چند فاصلہ ہوتا ہے۔ اس کے بیچ میں ایک عظیم دیوار موجود ہوتی ہے جوں ہی دشمن جنوب مشرقی سمت میں اس دیوار سے نظر دوڑاتا ہے تو

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل جاتی ہیں ایک عظیم وسیع و عریض کوہ اُسکے سامنے ہوتا ہے جو درمیان میں نصف حصے سے کاٹ دیا گیا ہے اور چوٹی کے چاروں طرف وسیع و عریض میدان بنایا گیا ہے یہ چوٹی اتنی بلند ہے کہ عام طور پر موسم برسات میں ابر آلودہ رہتی ہے اور آجکل بازوں اور اژدھے کے بچوں کا مسکن ہے، جو یہاں پر کبھی کبھی نظر آتے رہتے ہیں، اس کوہ اور اور دشمن کے درمیان کی سطح مرتفع کے درمیان تقریباً پانچسو فیٹ گہری اور ایک کلومیٹر چوڑی بڑی بڑی کھائیاں ہیں گہرائی اور بلندی کے حسین امتزاج سے ایک عجیب و غریب دل میں گدگدی پیدا کرنے والا سماں بندھ جاتا ہے۔ چوٹی کے اطراف کوہ کو کاٹ کر جو میدان بنایا گیا ہے۔ یہ تقریباً نصف کلومیٹر عریض اور چار کلومیٹر طویل ہوگا اس میدان میں دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے بھاری مقدار میں فوجی دستے نمائشی طور پر آراستہ کئے جاتے ہیں۔ جبکہ اس مصنوعی میدان کا تحفظ خونخوار ریچھوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ کوہ کے دامن میں اور اطراف کوہ ایسی عمدگی سے گہری خندقیں بنائی گئی ہیں کہ وہ مخالف سمت میں موجود دشمن کو دکھائی نہیں دیتیں۔ ایسی کھائیاں درجہ بدرجہ موجود ہیں، بلند سطح مرتفع پر موجود دشمن کھائی کے اس پار جب ایک مصنوعی طور پر بنائے ہوئے دراڑ سے یہ سماں دیکھتا ہے تو اچانک کوہ کی طرف لپکتا ہے، جنوبی سمت میں مٹی کے ٹیلوں پر موجود لشکر عارضی طور پر انہیں نیچے اترنے سے روکتا رہتا ہے۔ اگرچہ اسکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دشمن کسی صورت میں جنوب کی طرف پیش قدمی نہ کرنے پائے اور شہر صور محفوظ رہے جو وہاں سے تقریباً دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ دشمن کی پوری توجہ کو پوری چالاکی کے ساتھ

جنوب مشرقی سمت کی گھاٹیوں کی طرف منعطف کر دیا جاتا ہے۔ باوجود پے در پے دھوکوں کے دشمن اس حسین و جمیل مقام کے نظارے سے و نیز یہاں پر مصنوعی طور پر آراستہ کیے گئے۔ لشکروں سے ایک بار پھر دھوکہ کھا جاتا ہے اور اس کوہ رفیع الشان کی طرف پوری طاقت و توانائی کے ساتھ پیش قدمی کرتا ہے۔ جو اس کے لئے بھیانک تباہیوں کے آغاز کا باعث ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ درجے کے نیزہ باز صفیں بنا کر دامن کوہ کے قریب ان پر خندقوں سے نکل کر موت کی بارش کرتے رہتے ہیں اور انہیں کسی قیمت پر کوہ کی طرف پیش قدمی کرنے نہیں دیتے۔ یہ کھائیاں اتنی وسیع و عریض ہیں کہ بڑے سے بڑا لشکر اسمیں سما جاتا ہے۔ اس مرحلے پر دشمن کوہ رفیع الشان کا محاصرہ کر لیتا ہے۔ یہاں انہیں پانی وافر مقدار میں فراہم ہوتا رہتا ہے درحقیقت وہ خالص لشکر کے نرغے میں ہوتے ہیں اور ایک طویل مدت تک اس محاصرے کو جاری رکھ پاتے ہیں اگر دشمن کو کمک اور رسد مل جائے تو وہ دونوں حفاظتی خندقوں کو توڑ کر چوٹی کے اطراف مصنوعی طور پر بنائے وسیع و عریض میدان تک پہنچ جاتے ہیں جہاں پر انکا سامنا تباہی مچانے والے رتھوں سے ہوتا ہے جو انہیں چوٹی کے قریب پہنچنے سے روکتا رہتا ہے۔ اس طرح دشمن مسلسل تباہ و برباد ہوتا رہتا ہے اگر دشمن کی طاقت بڑھ جائے تو آٹھواں دائرہ بھی خطرے میں پڑ جائے اور دشمن کو روک نہ پائے۔ دشمن کی طاقت کو گھٹانے کے لئے اور اس کی توجہ منعطف کرنے کے لئے وہاں سے نظر آنے والے ایک درے کی طرف جو بظاہر شہر صور کے ورثائے ذوالقرنین کے بنائے ہوئے مصنوعی کرہ کا راستہ معلوم پڑتا ہے اور یہاں آنے پر دشمن کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ

وہ پھر سے دھوکہ کھا گیا ہے - اور ایک اور معرکہ اُسے سر کرنا ہے - یہاں سے اسکو صرف شہر صور، کا بلند و بالا مصنوعی کوہ نظر آتا ہے حالانکہ شہر ثور اب بھی اسکی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے: دشمن کو اس طرح دھوکہ دیا جاتا ہے کہ ایک بلند سطح مرتفع پر ایسا درہ بنا ہے جو نصف کلومیٹر لمبا ہے اور چوڑائی دو دو سو میٹر کے کم و بیش ہے اور یہ درّہ آدھا کلومیٹر جانے کے بعد اچانک منقطع ہو جاتا ہے اس درّے کے دونوں طرف پہاڑی سلسلہ ہے اور درّے کی جنوبی سمت ڈھلان ہے جو اچانک منقطع ہو گئی دو یا چار رتھ ایسی خوبی سے اس بلند درّے کی طرف پیشقدمی کرتے رہتے ہیں کہ دشمن کو دور دور سے نظر آتے رہتے ہیں درّے کے عین وسط میں بلندی ختم ہو کر ڈھلان شروع ہو جاتا ہے۔ لشکر کے رتھ نشیب سے پیشقدمی کرتے ہوئے بلند درّے کی طرف بڑھتے ہیں اور ڈھلان شروع ہوتے ہی جب دشمن کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں فوری ایک تنگ راستے سے واپس پلٹ جاتے ہیں اور پھر درے کی طرف پلٹ کر بار بار گردش کرتے رہتے ہیں جس سے دشمن یہ سمجھتا ہے کہ میدان جنگ سے مفرور رسا رتھی اور دوسرے لشکری اس درے سے واپس قلعے میں داخل ہو رہے ہیں اس تاثر کے تحت کہ اصلی قلعے کا دروازہ یہی درّہ ہے۔ دشمن اپنی توجہ اس طرف منعطف کرتا ہے اور ان رتھوں کا پیچھا کرتے ہوئے خود بھی اس درّے میں داخل ہو جاتا ہے جو اسکے لئے موت کا کنواں ثابت ہوتا ہے - جیسے ہی دشمن اس درے کی بلندی سے نشیب کی ڈھلان کی طرف بڑھتا ہے تو اسکی نظر اس درّے سے سیدھے شہر صور پر جا پڑتی ہے شہر صور کے حسن و جمال اور اسکی آنکھوں کو چندھیا دینے والی عمارتوں کو دیکھکر دشمن مسحور ہو جاتا ہے اس نفسیاتی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر درّے کے دونوں سمتوں پر متعین

پوشیدہ طور پر چھپے ہوئے تیر انداز اپنا کام کر جانے میں اس اچانک حملے سے گھبرا کر اگر دشمن رتھوں پر سوار ہو تو آگے کی طرف پیش قدمی جاری رکھتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جوں ہی درّہ منقطع ہوتا ہے دشمن ستر اسی فٹ کی بلندی سے موت کے کنوئیں میں گر جاتا ہے اس طرح یہ عمل جاری و ساری رہتا ہے درّے کے اس پار نشیب میں موجود دشمن کو درّے میں داخل ہونے والے اپنے ساتھیوں کی خبر تک نہیں ہوتی اور دشمن بتدریج منصوبہ بند طریقے پر ہلاک ہوتا رہتا ہے شہر ضود کا یہ تجزیہ میں نے اپنے مشاہدے اور مطالعے کی روشنی میں کیا ہے اور ہم قارئین سے توقع کرتے ہیں کہ ہمارے دوسرے مقالے . درّہ ئے ذوالقرنین" کے بیان میں اس سلسلے کی زیادہ سے زیادہ معلومات ملاحظہ فرمائیں گے اور ہم کوشش کریں گے کہ ان تمام دائروں اور ان کے نشانوں کی تصاویر اس مقالے کے ساتھ شریک کریں انشاء اللہ تعالیٰ المستعان !

موجودہ محدود وسائل کی وجہ سے ہم زیادہ تفصیلات قارئین کے سامنے پیش نہیں کر پائے اپنی ملازمت اور گھریلو مصروفیات کے باوجود جو کچھ فاضل وقت ہمیں ملا اس سے فائدہ اٹھا کر اس تحقیقی کام کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ جس میں مجھے تقریباً بارہ سال کا عرصہ لگا۔ حتی الامکان میں کوشش کروں گا کہ مضبوط دلائل کے ساتھ ان تاریخی حقائق کو ثابت کروں .

محل وقوع و جغرافیہ کی اس لئے نشاندہی نہیں کی گئی کہ اس سلسلے میں قومی سطح پر غور و فکر بیحد ضروری ہے کیونکہ بعض قومی مفادات اسی سے وابستہ ہیں۔

حضرت ذوالقرنین کے بعد ۱۶ سو سال تک بھی کسی بھی حکمران نے

ان دائروں کو توڑکر شہر ثور کو فتح نہ کیا۔ اگر کسی دشمن نے کوشش کی
تب وہ اکثر و بیشتر پہلے یا دوسرے یا تیسرے دائروں ہی میں ہلاک
کر دیئے گئے۔ بہت کم حملہ آور آخری دائرے تک پہنچ سکے ذوالقرنین
سولہ سو سال بعد صرف حضرت سیدنا داؤد خلیفۃ ہی وہ پہلی شخصیت
تھے جنہوں نے شہر صور کے مرکز تک کامیاب پیش قدمی کی اور آپ کے
بعد شاہ جمشید اول جو تمورا س دیو بند کا فرزند تھا شہر صور کو فتح کر سکا بعد
خلافت سلیمانی دو ہندوستانی حکمرانوں نے شہر صور پر جنوبی سمت سے
پیش قدمی کرتے ہوئے قبضہ کیا۔ ان کی اس فتح میں ان کی فضائی برتری
بھی حصہ تھا۔ آخری ہندوستانی فاتح نے اس کی تسخیر کے بعد شہر صور کو
برباد کر ڈالا۔ اس کے حفاظتی دائروں کو بھی نقصان پہنچایا گیا۔

اعلان خلافت داؤدی کے بعد جیسا کہ قرآن کہتا ہے:۔

یا داود انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض۔ وارثانِ ذوالقرنین نے
اس امر رب کے آگے سر تسلیم خم کیا اور داؤد خلیفۃ اللہ کی اطاعت قبول
فرمائی۔ چنانچہ شاہ سلیمان کے زمانے میں بھی شاہ صور سے آپ کی خط و کتابت
اور دوستی تعاون اشتراک مختلف صحیفوں اور تاریخی کتب سے ثابت ہے
الغرض آپ کا دور استقرار بموجب قرآن۔

ذوالقرنین کا سفر دوم

جانبِ مطلع الشمس

آیات قرآنی کے بموجب آپ کا دوسرا سفر انسوں فی خط ارض سے یا غرب الشمس سے مطلع الشمس کی طرف تھا جیسا کہ قرآن کہتا ہے پھر لگا ایک اسباب کے پیچھے یعنی سفر کا سرانجام کیا یہاں تک کہ پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پایا کہ وہ نکلتا ہے ایک قوم پر کہ نہیں کیا ہم نے اُن کیلئے سوائے آفتاب کے پردہ ذوالقرنین جانب مغرب عظیم ریگستانی خطوں کی طرف سفر کر رہے تھے۔ آپ کی سب سے پہلی منزل اس سمت میں مکہ مشرفہ کی تھی جسکی بنیاد حضرت ابراہیمؑ نے از سر نو ڈالی تھی آل اسماعیل آہستہ آہستہ قبائل عرب پر غلبہ پاتے جا رہے تھے اور عرب مُستعربہ کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ذوالقرنین بذاتِ خود دینِ ابراہیم کے زبردست پیروکار تھے۔ آپ نے اپنی تمام تر زندگی میں متعدد بار حج کئے قربانیاں دیں خدائے قدوس نے انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ قرآن میں زمین کی محوری گردش کے نقطۂ آغاز کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا ہے۔ آیت اللہ کے مُطابق ذوالقرنین پہنچے مطلع الشمس کے مقام پر پایا کہ وہ نکلتا ہے ایک قوم پر اور نہیں کیا ہم نے اُن سے سوائے آفتاب کے پردہ آیت الذین خالص طور پہ ریگستانی خطہ ارض کی طرف یہاں پر اشارہ ہے جو بے حد واضح ہے کیونکہ ریگستانی خطہ ارض ہی وہ مقام ہے جہاں پر انسان اور سورج کے درمیان کوئی

پردہ نہیں ہوتا۔ مثلاً مانسونی خطہ ارض میں انسان اور سورج کے درمیان
سب سے پہلا پردہ بادلوں کا ہوتا ہے۔ اکثر و بیشتر صورتوں میں مطلع ابر آلودہ
رہتا ہے جس کی وجہ سے دھوپ کی تمازت و حدت تقریباً ختم ہو جاتی ہے
دوسرا پردہ درخت ہوتے ہیں جو مانسونی خطہ ارض میں کثرت سے ہوتے ہیں۔
سوم تیسرا پردہ پختہ و کچے مکان ہوتے ہیں برخلاف اس کے ریگستانی خطہ ارض
میں ان تینوں پردوں کا وجود خال خال ہوتا ہے۔ ریگستانی خطہ ارض ان
سہولتوں سے جو انسان کو فائدہ پہنچاتے ہیں مکمل عاری ہوتا ہے یہی وجہ ہے
آیت اللہ میں آفتاب سے پردے کا ذکر کیا گیا۔ الغرض مطلع الشمس کے مقام
ذوالقرنین کا یہ سفر صحرائے عرب سے صحرائے اعظم افریقہ کی طرف تھا۔
جسکا نقطۂ آغاز مکہ شریف تھا۔ درحقیقت ذوالقرنین اپنے غرب الشمس
یا مانسونی خطہ ارض کے سفر کے دوران سمندروں کی کھوج مکمل کر لی تھی اور آپ نے
اپنے دوسرے سفر مطلع الشمس میں ریگستانی خطہ ارض سے متعلق اپنی کھوج
و تحقیق مکمل کر لی۔ روایتوں میں جن لوگوں کا ذکر ان علاقوں میں کیا گیا ہے وہ
قدیم ترین عرب اور صحرائی بدو قبائل تھے جو سورج کی گرمی یا تمازت کو برداشت
نہ کرتے ہوئے دن کے اوقات میں نخلستانوں میں پائے جانے والے پانی کے چشموں
میں پھیل جاتے تھے اور جب شام ہوتی تو باہر نکل کر اپنی ضروریات زندگی تکمیل
یا تلاش معاش کرتے یہ لوگ انتہائی ابتدائی قسم کی زندگی ان ریگستانی
خطوں میں بسر کرتے تھے۔ مطلع الشمس کے سفر کے دوران آپ نے مصر اور فلسطین کے
زرخیز علاقوں میں دو تاریخی شہروں کی بنیاد رکھی جس میں سے ایک شہر کو زبردست
مذہبی تقدس حاصل ہے۔ جبکہ دوسرا شہر آج بھی بہت بڑی معاشی
افادیت رکھتا ہے۔ ملک مصر میں سواحل روم کے پاس آپ نے شہر اسکندریہ کی

بنیاد اپنے نام پہ رکھی۔ جبکہ آپ اپنے سگے خالہ زاد بھائی و جگری دوست قائد لشکر خواجہ خضر کے نام پر دوسرا شہر شہر ایلیا بسایا جو بعد میں یروشلم اور پھر بیت المقدس کے نام سے مشہور ہوا۔ شہر اسکندریہ نے جو ایک عظیم قدرتی بندرگاہ بھی تھا۔ بہت جلد مصر کی ساری معیشت اور تمدنی حیثیت پر اثرات مرتب کیئے بتدریج وادئ نیل ایک عظیم تمدن کا مرکز بنتی چلی گئی جہاں پر بعد میں فرعونانِ مصر کے زمانے میں بڑی طاقتور حکومتیں قائم ہوئیں اور صدیوں تک بحرِ روم میں یہ بندرگاہ اپنی مرکزی حیثیت برقرار رکھ پائی وینس و جینوا کے بندرگاہوں کی کمالِ ترقی تک بھی بندرگاہ اسکندریہ۔ بحرِ روم میں سب سے بڑی بندرگاہ اور معاشی مرکز بنا رہا۔

سرزمینِ فلسطین میں شہر ایلیا بتدریج ترقی کرتا رہا خلافت داؤدی و سلیمانی کے زمانے میں یہ مرکزِ اسلام بنا اور تقریباً چار صدیوں تک عالمی اقتدار اعلیٰ کا مرکز بنا رہا اس شہر کی عظمت و شرف خود قرآن حکیم سے ثابت ہے سُبحانَ الَّذِیٓ اَسریٰ بِعَبدِہٖ لَیلاً مِّنَ المَسجِدِ الحَرامِ اِلَی المَسجِدِ اقصیٰ الَّذِی بارکنا حولَہٗ لِنُرِیَہٗ مِن اٰیاتِنَاہ (پ۱۵ اسریٰ)

بیت المقدس انبیاؤں کی پاک سرزمین اور اہل اسلام کا قبلۂ اوّل رہا ہے جس سے اس شہر کے تقدس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تمام اہل کتاب اس شہر کو مقدس مانتے ہیں سب ہی یکساں طور پر اس شہر کی عزت و تکریم کرتے ہیں حرم شریف کے بعد مسلمان اسی شہر کو قابل عزت و احترام قابل تکریم سمجھتے ہیں۔ کاش کہ تمام اہل کتاب اہل کلمہ اس پاک و مقدس شہر کو امن کا گہوارہ بنا دیں۔ حرم شریف کی طرح یہاں پر بھی کسی بھی جان کا احترام پیدا ہو جاتا تو یہ بات تمام نسلِ انسانی کیلئے بھلائی و سلامتی کی راہ بتلاتی۔

ذوالقرنین کا تیسرا سفر

جانب سدّین

ذوالقرنین مشرق و مغرب کی ان عظیم تسخیروں کے بعد کرۂ ارض کے کوہستانی علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے قرآن کہتا ہے۔

اور پھر پیچھے چلا ذوالقرنین اور راہ کے یہاں تک جب پہنچا درمیان دو دیواروں کے پایا ورے ان سے ایک قوم کو کہ نزدیک نہ تھے سمجھتے بات کو

مندرجہ بالا آیات ذوالقرنین کی زندگی اور ان کی مہم جوئی کا سب سے اہم حصہ ہے آیاتِ قرآنی کے مطابق ذوالقرنین اپنا تیسرا سفر شروع کیا اور بتلایا گیا کہ دو دیواروں کے درمیان پہنچے اور دو دیواروں کیلئے لفظ سدّین استعمال کیا گیا۔ ذوالقرنین کا یہ سفر جانب شمال موجودہ سوویت یونین کے علاقوں کی طرف تھا جس کے ایک طرف ایک عظیم پہاڑی سلسلہ جو دنیا کا سب سے اہم پہاڑی سلسلہ ہے جس میں دنیا کی سب سے بلند ترین چوٹی ایورسٹ ہے تو دوسری طرف کوہ قاف کے پہاڑی سلسلے تھے خدائے علیم و حکیم نے ذوالقرنین کے مقام قرب و مقبولیت کا اظہار کرنے کیلئے ایسی بلند و بالا مثال فرمائی کہ وہ عظیم کوہستانی سلسلوں کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ یہاں پر کرۂ ارض کے ان اہم معاشی و سماجی و تاریخی اہمیت رکھنے والے پہاڑی سلسلوں کا ذکر بھی مقصود تھا۔ و نیز ذوالقرنین کے اظہار عز و شرف کیلئے دو دیواروں کے درمیان سفر کرنا

بیان کیا گیا۔ قدرتی طور پر بھی یہ دو پہاڑی سلسلے دو عظیم خطوں کو یعنی سرزمین اور ہند و بر صغیر کو باقی دُنیا سے علیحدہ کرتے ہیں۔ یہ علیحدگی جغرافیائی طور پر اتنی مضبوط بنیادوں پر ہے کہ جس طرح ایک مضبوط دیوار دو مکینوں کے درمیان پردہ حائل کر دیتی ہے کوہستانی ہمالیہ ڈھائی ہزار کلو میٹر لمبا اور ڈھائی سو کلو میٹر چوڑا ہے۔ اس کی بلند ترین چوٹی انتیس ہزار فٹ سے زائد ہے یہ مکمل طور پر ناقابلِ عبور و مرور ہے صرف چند درّے ہیں جہاں سے عبور و مرور ممکن ہے یہ عظیم قدرتی دیوار برصغیر ہند و پاک کو نہ صرف دشمنوں سے بچاتی ہے بلکہ قدرت کی عطا کردہ بے پناہ دولت کی حفاظت بھی کرتی ہے یعنی مانسونی ہواؤں کو قطعی طور پر شمال کی سمت بڑھنے سے روک لیتا ہے و نیز بحر منجمد شمالی سے آنے والی خوفناک سرد ہواؤں کو تبت کے ملک میں اُس پار روک دیتی ہیں جس کی وجہ سے برصغیر کی آب و ہوا گرم مرطوب رہتی ہے جس کی وجہ سے کثرت سے قدرتی پیداوار اور نباتات بلادِ ہند میں اُگتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے نسلِ انسانی کا پھیلاؤ برصغیر میں کثرت سے ہے۔ کوہ قاف بھی وسط ایشیائی علاقوں اور شمالی علاقوں کے درمیان ایک بڑی قدرتی دیوار کا کام دیتا ہے کوہ قاف کے دونوں جانب شرقاً و غرباً دو بڑے سمندر ہیں جو بحر کیسپین اور بحر اسود (کالا) کے نام سے مشہور ہیں کوہ قاف کی بھی معاشی و اقتصادی افادیت کافی اہم ہے۔

قومِ عادِ ثانی کا مسکن

کوہ قاف کی ایک تاریخی اہمیت بھی نسلِ انسانی کی تاریخ سے مربوط ہے کہا جاتا ہے کہ طوفان نوح ؑ کے بعد حضرت نوح ؑ کی کشتی اسی کوہ قاف پر ٹھہری بعض ذرائع سے یہ خبریں بھی ملیں اور ان ذریعوں نے بعض ٹھوس شہادتیں بھی اپنے بیان کی تائید میں پیش کیں کہ حضرت نوح ؑ کی کشتی کوہ جودی پر کوہ قاف کے بلند ترین پہاڑی چوٹیوں میں دس ہزار فٹ کی بلندی پر برف پوش پہاڑی میں نصف برف میں دھنسی ہوئی محفوظ پائی گئی۔ جس کی تصاویر بھی بعض ماہناموں نے اپنے صفحات پر شائع کیں۔

یہ بات مذہبی نقطۂ نظر سے اہمیت رکھنے والی بات ثابت ہوتی ہے۔ اولاد نوح ؑ میں قوم عاد ثانی نے اس مقام کے اس پار اڑلیہ یا آرمینہ میں عروج پایا اس کوہ میں اپنا مسکن بنایا بعد والی آیات میں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے " ذوالقرنین نے پایا ورے اُن سے ایک قوم کو" یہاں پر آیات قرآنی کا مفہوم یا اشارہ اسی قوم عاد ثانی کی طرف ہے۔ پایا ورے اُن سے ایک قوم کو سے مراد ہر دو کوہستانی سلسلے ہیں جنکے اس پار ایک قوم بستی تھی جو قوم عادِ ثانی تھی یہ مسکن ان کے اقتدارِ اعلیٰ کا مرکز تھا۔ قدیم قومیں زمین کی طبعی ساخت اور اس کی خصوصیات سے بڑی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی دلچسپی کی بنیادی وجہ انسانی جسم میں طاقت کا حصول تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ جسمانی طور پر طاقتور تھے۔

اور طاقتور بننا چاہتے تھے۔ اس ضمن میں آب و دانہ کے طبعی اثرات کے پیشِ نظر وہ زمینوں کی طبعی خصوصیات کے پیچھے لگے رہتے مثلاً مانسونی خطہ ارض اور ریگستانی خطہ ارض میں انسانی جسم کی نشو و نما اگرچیکہ بہتر ہوتی لیکن قدرتی طور پر انسانی جسم میں طاقت کم ہوتی جیسا کہ حضرت سیّدنا سلیمانی نے اپنے والد داؤد خلیفۃ اللہ کے سوال کے جواب میں کہا کہ انسانی جسم میں طاقت ہڈی میں موجود ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ کوہ قاف اور منگولیہ اور پامیر کی سطح مرتفع میں پیدا ہونیوالے انسان غیر معمولی طاقتور اور ان میں غیر معمولی قوت برداشت ہوتی تھی۔ قوم عادِ ثانی نے کوہ قاف کے اس پار اپنے مذہبی یا طبعی یا سیاسی بنیادوں پر بود و باش اختیار کی ہو اُن کا مقصد ایک طاقتور قوم کی حیثیت سے ولاڈی وسٹک سے لینین گراڈ تک پھیلے ہوئے عظیم میدانی خطے اور تیسری دُنیا پر اپنی گرفت کو مضبوط سے مضبوط تر رکھنا مقصود تھا۔ چنانچہ قرآن میں اُنھیں اپنی سیدیوں سے وَرئے رہنے والے قرار دیا۔

قوم عاد ثانی کا اقتدار اعلیٰ

قرآن کہتا ہے" نہیں نزدیک تھے سمجھتے بات کو اس آیت میں ایک انتہائی اعلیٰ پیرائے میں اس قوم کے کسی عمل سے ناراض ہو کر انتہائی لطیف انداز میں سرزنش کی گئی ہے۔ انداز سرزنش اس لئے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا گیا کیونکہ جس بات کی وجہ سے سرزنش کی جا رہی تھی، اس کا مفہوم آسانی کے ساتھ ہم سب تک پہنچ سکے چونکہ مفہوم قرآن یہاں پر بہت ہی اونچا تھا اس لیے پیرایہ سرزنش بھی بہت اونچا ہے۔ جس کو بیشتر مفسرین نے اس کے ظاہری معنوں سے مراد لیا اور مکمل غور و فکر کے بغیر اس قوم کو جاہل قرار دیا اور اپنی سطحی رائے کی بدولت ایک بڑے تاریخی راز یا تاریخ کی ایک اہم کڑی کی تاریخی حیثیت سے واقف ہونے سے محروم رہے۔ مثلاً کچھ لکھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے اور کچھ لکھتے ہیں کہ ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں کی بولی وہ لوگ نہیں سمجھتے تھے جو گفتگو نقل کی گئی غالباً کسی ترجمان کے ذریعے سے ہوئی ہوگی اور ترجمان کسی درمیانی قوم کا ہوگا جو دونوں کی زبان قدرے سمجھتا ہو وغیرہ وغیرہ۔

درحقیقت بات وہ نہیں تھی جو کہ کہی گئی یہ قوم ایک انتہائی طاقتور اور بڑی حد تک مہذب بھی تھی جیسا کہ بعد والی آیتوں سے ثابت ہے۔

انہوں نے کہا اے ذوالقرنین یاجوج وماجوج زمین میں فساد پھیلاتے ہیں

قالوا یاذا القرنین یاجوج وماجوج مفسدون فی الارض

قوم ثمود کی ہلاکت کے بعد اس قوم نے جو قوم عاد کے چند بچے ہوئے ایمان والوں کی نسل سے تھی کرہ ارض پر اپنی حکومت اور اقتدار اعلیٰ کو قائم کیا بلاد ہند بلادِ چین دجلہ فرات اور دریائے نیل کی وادیوں کے باشندے ان کے باج گزار تھے ان کے اقتدار اعلیٰ کا مرکز کوہ قاف کے اُس پار تھا۔ سلطنت بابل کا حکمران بھی ان کے ماتحت تھا۔ جدید تحقیقات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ جوں جوں مندرجہ بالا علاقوں میں علاقائی شناخت بڑھنے لگی. اور یہ علاقے انسانی آبادیوں سے معمور ہونے لگے قوم عادِ ثانی کی گرفت ان علاقوں سے کمزور ہونے لگی اولاد یافث بن نوحؑ یاجوج وماجوج نامی دو قبائل کی شکل میں بڑی سرعت کے ساتھ منگولیہ میں ابھری اور بلاد چین ہند اور دیگر وادیوں کے علاقوں میں تباہی مچانے لگی راستے طور پہ دست قبچاق یعنی سائبیریا کا وسیع وعریض علاقہ ان قبائل کا خصوصی نشانہ بنا ہوا تھا جب کبھی ان قبائل کو کوئی اچھا سردار مل جاتا تو یہ قبائل جغرافیائی حالات سے فائدہ اٹھا کر بے حد خونخوار بن جاتے اور بیشتر علاقوں میں تباہی مچا دیتے۔

یاجوج ماجوج :۔ بعض علماء نے لکھا ہے یہ لفظ اصل میں گوگ اور مہاگوگ ہے یعنی بھیڑیا اور بڑا بھیڑیا کا معرب ہے اور بتلاتے ہیں کہ ایران کی کسی قدیم زبان میں جوج اور ماجوج آیا ہے جب کہ مقدس قرآن میں یاجوج وماجوج بتلایا گیا ہے۔

قرآن کی سورۃ الکہف اور سورۃ انبیاء میں مجموعہ توریت میں صحیفہ حزقیلؑ میں ان کا ذکر بتصریح اسمائے روس وماسک وتوبال میں موجود ہیں صحیفے حزقیلؑ کے بموجب۔

عادِ ثانی نے استعمال کیا۔

(۱) ایک لفظ ذوالقرنین ہے دوسرا یاجوج وماجوج ہے۔ یہ دونوں الفاظ کی اصل قومِ عاد ثانی کی زبان سے ہے۔ آیت اللہ کا یہ کہنا کے نہیں نزدیک تھے سمجھے بات کو اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی کو ظاہر کرتا ہے جیسا کے خود اللہ تعالیٰ آگے فرماتا ہے کہا انہوں نے اے ذوالقرنین قالو یاذولقرنین کیونکہ یہ لفظ مکمل دانستگی کے ساتھ استعمال ہوا تھا۔ جبکہ معنیٰ سے قوم عادِ ثانی اچھی طرح واقفیت تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔ ذوالقرنین کا اصلی نام سکندر تھا۔ لیکن اقبالِ خداوندی سے آپ کی فتوحات کی شہرت ہفت اقالیم میں پھیل چکی تھی۔ آپکی دانش اور تدبر کے قصّے عام ہو چکے تھے جب آپ نے قوم عادِ ثانی کے ملک میں پیش قدمی کی۔ بجائے اس کے کہ بحیثیت مقتدرِ اعلیٰ قوم ذوالقرنین سے لڑتی انہوں نے دنیاوی مصلحت اندیشی اختیار کی ان کے ایک طرف تو یاجوج وماجوج جیسے خون خوار دشمن تھے دوسری طرف سکندر ذوالقرنین کا جرار لشکر انہوں نے خیر اسی میں سمجھی کہ ذوالقرنین سے صلح اختیار کرلی جائے۔ بجائے اس کے کہ وہ ایسی تدبیریں اختیار کرتے کہ وہ راست طور پہ سکندر اور یاجوج اور ماجوج کے لشکروں میں ٹکراؤ پیدا کرتے طاقتور دشمن سے طاقتور دشمن کو ختم کرتے یا کم از کم کمزور ہی کرتے انہوں نے اپنی جسمانی طاقت کے زعم میں ذوالقرنین سے سیاست برتی۔ انتہائی خوشامد پسندانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے سکندر کو ذوالقرنین کے لقب سے نوازا۔ یہاں پہ یہ بات بے حد ضروری ہو جاتی ہے کہ ذوالقرنین کے لفظی ظاہری ومرادی معنی سے واقفیت حاصل کی جائے تاکہ نفسِ مضمون سمجھا جا سکے۔

"اور خداوند کا کلام مجھکو پہنچا اور اس نے کہا اے آدم زاد تو جوج کے مقابل ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روس ماسک اور توبال کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر" حضرت سیدنا عیسیٰؑ کے ایک حواری یوحنا کے مکاشفات (یہ کتاب بھی الہامی مانی جاتی ہے) میں ان کا ذکر بنام یاجوج ماجوج موجود ہے۔ قرآن پاک میں آیا ہے کہ ان کو ان کے خروج کے زمانے میں باہم گتھم گتھا کر دیا جائے گا۔ یعنی یہ دونوں فریق ہو کر آپس میں لڑتے بھڑتے رہیں گے۔

مکاشفاتِ یوحنا میں ہے کہ ان اقوام پر آسمان سے آگ برسے گی جو انہیں کھا جائے گی سورت کہف میں یاجوج ماجوج کا ذکر کنایۃً کیا گیا ہے جو کہ صریح سے زیادہ بلیغ و موثر ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج دونوں ترکوں کے قبیلے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یاجوج ترکوں میں سے ہیں اور ماجوج جبل اور دیلم سے (بیضاوی) اسی سے لیا ہوا ہے۔ اور ابوالسعود یافث کی نسل بتلاتے ہیں۔ کتاب الممالک والممالک میں لکھا ہے کہ چین سے متصل بحر اعظم کے کنارے یاجوج و ماجوج قوم ہے۔ کوہ یورال کی پرلی طرف منچوریا اور منگولیا چین سے ملے ہوئے ہیں۔ دریا کی طرف تک سب کو یاجوج ماجوج بتلاتا ہے عام طور پر عبرانی عربی اور پہلوی زبانوں میں الفاظ میں بعض قسم کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ جیسے کہ عربی میں "ج" اور "گ" تقریباً یکساں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ حرف "گ" کو آسانی کے ساتھ حرف ج سے بدلا جاتا ہے۔ ایسا ہی ہندوستانی زبانوں میں "وا" اور "با" کا استعمال ہوتا ہے۔ تلفظ بدل جانے سے معنویت میں کوئی فرق نہیں آتا آیت قرآنی کی روشنی میں دو الفاظ ایسے ہیں جنہیں قوم

لفظ ذوالقرنین کا تاریخی و مرادی مفہوم

عام طور پر ذوالقرنین کے معنیٰ اور مفہوم میں تمام عالم میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ ذوالقرنین کے سر میں دو سینگ تھے۔ مثلاً اہل یونان نے جب بطور شرف کے لفظ سکندر کو بطور لقب استعمال کرنا شروع کیا تو اپنے سکوں پر بھی انہوں نے اپنے بادشاہوں کے سروں پر دو سینگوں کے نشانات کو خوب واضح طور پر پیش کیا۔ جس کی وجہ سے بھی اکثر عوام میں یہ تاثر پھیل گیا کہ سکندر کے سر میں دو سینگ تھے۔ اور ذوالقرنین کے معنیٰ دو سنگ والوں کے سمجھا جانے لگا حقیقتاً اس لفظ کے ایک معنیٰ دو نسلوں والے کے بھی ہوتے ہیں۔ ایک معنیٰ دو نسلوں والے کے بھی ہوتے ہیں ایک معنیٰ دو مخالف سمتوں والے کے بھی دو زمانے والوں کے یا دو صدیوں والے کہ یہ لفظ بڑا ذو معنیٰ ہے۔

یہاں پر ہم صرف دو سنگ والے کو ہی ترجیح دینگے اگرچہ کہ اس لفظ کے یہ لفظی معنیٰ نہیں ہیں۔ صرف مرادی معنیٰ ہیں رسول مقبول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث میں لفظ قرن یعنی سینگ کو بطور حکومت کے مفہوم میں استعمال فرمایا۔ لفظ ذوالقرنین کی مرادی معنیٰ پیغمبر خدا کی حدیث کے مفہوم کی روشنی میں حکومت ہی ہے۔ ذوالقرنین یعنی دو حکومت والا۔ ایک سلطنت جس کا دارالسلطنت بلاد ہند میں تھا۔

دوسرا بلاد چین میں اگرچہ کہ بعد میں بلاد چین کی حکومت کو آپ ہی کی قوم نے تباہ و برباد کر ڈالا دکتاب تخلیق سام مشان) لفظ ذوالقرنین کی حقیقی لفظی معنی وہ ہیں۔ جسکو ورثائے ذوالقرنین عام طور پہ اپنے لقب کے طور پر بھی استعمال کرتے تھے۔ ورثائے ذوالقرنین میں اس پہ روشنی ڈالی جائے گی۔

اہل یونان سکندر ذوالقرنین کی شخصیت سے کچھ زیادہ ہی واقف تھے چونکہ سکندر اعظم رومی کی فتوحات کی مہم اتنی منظم اور اونچے علمی معیارات پہ پوری اترنے والی تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سکندر ذوالقرنین کی پیشقدمی سے حرف بہ حرف واقف تھے اور قدم بہ قدم چل رہے تھے لیکن عین راہ میں وہ راستہ بھول گئے اہل ہند نے اہل یونان کی فتوحات سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ ان میں زبردست اختلافات پیدا ہوئے۔ یہ اختلافات شخصی نوعیت کے نہیں تھے۔ صرف علمی نوعیت کے تھے۔ ایک گروہ اپنے پیش رو سائرس اعظم کی طرح دریائے سندھ تک پیش قدمی کافی سمجھتا تھا۔ کیونکہ وہاں پہ طوریت کے مطابق کالی مٹی اور پانی دونوں موجود تھے۔ اور یہ مقام غرب الشمس بھی تھا۔ لیکن دوسرا گروہ جو اونچے علمی معیارات پہ پورا اترتا تھا۔ جس میں خود سکندر اعظم مقدونی بھی شامل تھے۔ مزید پیش قدمی کو ناگزیر سمجھا تھا۔ اور یہ گروہ بحر الکاہل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ جبکہ اول الذکر گروہ نے آسانی کے ساتھ عام فوجیوں کو اپنے ساتھ کر لیا۔ یہ فوجی ان اونچے علمی نوعیت مسائل سے کم از کم اتنی دلچسپی نہیں رکھتے تھے جتنے کہ خواص کا گروہ رکھتا تھا۔ انھیں اپنے گھروں کی یاد سے بے چین کئے دیتی تھی۔

چنانچہ اتمام حجت کے لئے انھوں نے سکندر اعظم کو دریائے سندھ سے بحیرۂ عرب کی جانب سمندری سفر کرنے کی ترغیب دی اور خود لشکر کا بڑا حصہ

سکندر کے ساتھ خشکی کے راستے سے واپس لوٹ گیا۔ بد دلی اور مایوسی کے عالم میں شروع ہونے والا یہ سمندری سفر بہت جلد جنوب کی سمت سے شمال مغرب کی طرف موڑ دیا گیا۔ یہ بحری بیڑہ خلیج فارس سے ہوتا ہوا شہر بابل کی طرف واپس لوٹ گیا۔

شہر بابل میں سکندر اعظم مقدونی عین عالم جوانی میں 32 سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے خالی ہاتھ گذر گئے

تسخیر ایران کی مہم سے یونانیوں کو اتنا زیادہ فائدہ حاصل نہ ہو سکا جتنا کہ ان کے دوست اہل ہند کو مشترکہ ہند و یونان خارجی حکمت عملی کا فوری فائدہ پہنچا۔ سبت سندھو کے وہ علاقے جو سائرس اعظم کے زمانے سے ایرانی قبضے میں چلے گئے تھے وہ پھر سے واپس ہندوستانیوں کو مل گئے اور جو ایک مستحکم ہندوستانی حکومت کا کہ قیام کا باعث بنے اور وہ انتشاری کیفیت جو برصغیر ہند پاک میں سبت سندھو میں ایرانی اقتدار اعلیٰ کی وجہ سے پیدا ہو چکی تھی ختم ہو گئی ستواہنوں اور موریوں نے بلادِ ہند میں مستحکم نظام حکومت قائم کیے

اہل یونان کی علمی سوجھ بوجھ اور اُن کی فطری صلاحیتیں اُن کے سکوں پر پائے جانے والے سنگوں کے نشان کی بدولت غیر پختہ ثابت ہوتی ہے۔ یونانیوں کی کسی بھی حکمران کی زیر اقتدار دو مقبوضہ وعظیم سلطنتیں نہیں تھیں اگر ایسا ہوتا تو یقیناً اپنے سکوں پر اپنے حکمرانوں کے سر پہ دو سنگ بنانے میں حق بجانب ہوتے۔ الغرض یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ سکندر کے سر میں دو سنگ قطعی قطعی نہیں تھے۔

قوم عادِ ثانی نے۔ سکندر کو ذوالقرنین جیسے ذو معنی لقب سے مخاطب کیا اور جب سکندر نے اس لقب سے خوش ہو کر اس قوم کی طرف دوستی کا

ہاتھ بڑھایا۔ اس قوم نے اپنا مدعا پیش کیا۔ آیت قرآنی کے بموجب کہا انہوں نے اے ذوالقرنین یاجوج وماجوج فساد کرنے والے ہیں۔ بیچ زمین کے پس آیا کر دیویں واسطے تیرے کچھ مال اوپر اس بات کہ کہ کر دیوے تو درمیان ہمارے اور ان کے ایک دیوار۔

یہاں پر دوسری بار لفظ سیّد استعمال ہوا ہے۔ سکندر کو ذوالقرنین کے لقب سے مخاطب کرنا اور ایک عظیم دیوار کا منصوبہ پیش کرنا اور اس کے عوض میں مال خراج پیش کرنا اس قوم کے انتہائی جہاں دیدار اور پختہ کار ہونے کا ثبوت ہے مال خراج اس بات کا غمازی ہے کہ یہ قوم رموز مملکت سے بھی واقف تھی اور انکی یہ رائے کہ یاجوج وماجوج بیچ زمین کے فساد کرنے والے ہیں۔ انکی طبعی وجغرافیائی واقفیت کا بین ثبوت باوجود مندرجہ بالا حقیقتوں کے خود آیات قرآنی سے ثابت ہے کہ خدائے علیم وحکیم نے ان کے حق میں فرمایا کہ وہ نہیں نزدیک تھے سمجھتے بات کو یہاں پہ خدائے تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا کہ وہ نہیں نزدیک تھے سمجھتے بات کو۔ یہاں پر خدائے تعالیٰ نے اس طاقتور قوم کے عظیم جہل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو ان کی باوجود ظاہری دانشمندیوں کہ وہ اندازہ نہ کر پا رہے تھے کہ آئندہ کیا ہونیوالا ہے اور یہ قوم کونسے بڑے شرف سے محروم ہونے والی ہے۔ ظاہر میں تو ذوالقرنین سے ایک عمدہ منصوبے میں تعاون وہ اشتراک کر رہے تھے لیکن باطن میں وہ اپنی انفرادی شناخت اور اپنا اقتدار اعلیٰ برضا ورغبت ذوالقرنین کے حوالے کر رہے تھے ان کے اس عظیم جہل کی طرف خدا تعالیٰ نے پہلے اشارہ کر دیا اور پھر اس جہل کی تفصیلات بتلائیں کہ کس طرح انھوں نے سکندر کو ذوالقرنین سے مخاطب کیا اور ایک ایسے منصوبے اپنے آپکو ملوث کر لیا جسکا پورا فائدہ صرف ذوالقرنین اور انکی اولاد کو پہنچا تھا۔

سدِ سکندری کی تعمیر

اب ایک عظیم الشان منصوبہ کی قوم عادِ ثانی نے نصف مشرقی کرۂ ارض کو دو عظیم خطوں میں تقسیم کرنے کا ذوالقرنین کے سامنے پیش کیا۔ جو اُن کی غیر معمولی صلاحیتوں اور طبعی و جغرافیائی معلومات پر مبنی تھا۔ ذوالقرنین نے اُن کی استدعا قبول کرتے ہوئے جواب دیا جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

"کہا جو کچھ قدرت دی ہے مجھکو بیچ اس کے رب نے بہتر ہے پس مدد کرو میری ساتھ قوت کے کردوں میں درمیان تمہارے اور اُن کے دیوار موٹی"

یہاں بھی آیت اللہ کے الفاظ پر غور کرنے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ سدِ سکندری کا تمام تر منصوبہ قوم عادِ ثانی کا تھا۔ ایک عالی حوصلہ قوم کی حیثیت سے وہ مکمل طور پر اس عظیم پراجکٹ کیلئے تیاریاں کر چکے تھے۔ لیکن وسائل اور سیاسی حالات اُن کے سازگار نہ تھے ممکن ہوں کچھ ٹکنیکل دشواریاں بھی ان کے پیشِ نظر رہے ہوں لیکن جب وہ ذوالقرنین سے ملتے ہیں تو سب سے پہلے یاجوج و ماجوج کی شرارتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ عربی زبان میں لفظ مفسدون کی بعض خاص قسم کی صورت حال کے پس منظر کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ نیز کلام اللہ میں لفظ فساد کو بعض خاص خاص صورتوں کے اظہار کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات قوی ہو جاتی ہے کہ اُن کی سیاسی دشواری اُن کی دوسری دشواریوں پر غالب تھی۔

ذوالقرنین نے اس طاقتور قوم کی جسمانی طاقت سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور اس قوم کی نفسیاتی و سیاسی ذہنیت کا پورا پورا اندازہ کرتے ہوئے اُنہیں بہ رضا و رغبت ایک عظیم دیوار کی تعمیر کے سلسلے میں ایک ہمہ مقصدی اور طویل مدتی منصوبے میں شریک کار کر لیا اور یہ کام اس دانشمندی سے ہوا کہ فریق ثانی کو اپنے رفیق کے عزائم کی خبر بھی نہ ہوئی۔

جس طرح یاجوج و ماجوج کے تعلق سے محققین و مفسرین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اسی طرح سدِ سکندری کے محل وقوع کے بارے میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس بارے میں مفسرین اور محققین کی رائے جدا جدا ہو سکتی ہے درحقیقت سدِ سکندری نصف مشرقی کرۂ ارض کو دو عظیم جغرافیائی خطوں میں تقسیم کر دینے والی انسانی کوشش ہے اس کا ہر خطہ متضاد طبعی و جغرافیائی خصوصیات کا حامل ہے جبکہ سدِ سکندری کا جنوبی خطہ اس شمالی خطہ کے بالکل متضاد طبعی و جغرافیائی خصوصیات کا مالک ہے اس عظیم انسانی دیوار کا ابتدائی حصہ بلادِ چین سے شروع ہوتا ہے عصر حاضر میں عظیم دیوار چین کے نام سے موسوم ہے۔ جو عجائبات دنیا میں سے ایک ہے۔ جس کے بارے میں بالکلیہ غلط طور پہ یہ بات منسوب کر دی گئی ہے کہ 232 ق۔م کے زمانے کے حکمراں فغفور چین چی وانگ ٹی نے یہ دیوار تعمیر کروائی اس دور میں چینی شاہی سکے پرچم تلے اتنے کمزور تھے کہ وہ ایک عالمگیر عالمی طاقت کے طور پر تسلیم نہیں کئے جاتے تھے۔ اگرچہ کہ چینی حکمراں فغفور چین کے زمانے میں بلادِ چین کو متحد رکھنے میں کامیاب ضرور رہے تھے۔ لیکن اُنھیں ایسا طاقتور [illegible] اقتصادی یا سیاسی موقف حاصل نہ تھا کہ وہ ایک عظیم ہالے بشکل دیوار چین بحر الکاہل سے صحرا گوبھی تک تیار کر پاتے۔

یہ بات ان کی معاشی اور جسمانی دونوں طاقتوں سے باہر تھے۔ عصر حاضر میں جس طرح دانشمند چینی مدبروں نے عظیم سوویت تعاون سے فائدہ اٹھا کر جو مضبوط موقف پیدا کیا اور اپنے تہذیبی اور تاریخی ورثہ کی نشاۃ ثانیہ کی طرف سرعت کے ساتھ گامزن ہیں وہ نیز انھیں اپنے عظیم تاریخی ورثہ کی حفاظت کا ذوق و شوق پیدا ہوا اور وہ دیوار چین کی تعمیر و مرمت جدید اور حفاظت و نگہداشت میں اپنی پوری طاقت و توانائی صرف کرنے کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھ رہے ہیں۔ اسی طرح ماضی میں فغفور چین کے زمانے میں شاہان ایران کی بربادی کے بعد چین کے علاقائی استحکام اور عام خوشحالی کی وجہ سے و نیز منگول و تاتار نسلوں سے حفاظت کے خاطر مساعی قبل از قبل دفاع کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کیلئے انھوں نے سد سکندری کے اس حصے کو جو دیوار چین کے نام سے جانا جاتا ہے از سر نو تعمیر و مرمت کا کام جاری رکھا جس کی وجہ سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ دنیا کی سب سے عظیم و بے مثال دیوار کو جو دو ہزار کلو میٹر سے زیادہ طویل ہے فغفور چین نے تعمیر کرایا۔ یہ تعمیر نو شاہان چین کیلئے یوں بھی ناگزیر بن چکی تھی شہنشاہ ایران کی تباہی سکندر اعظم رومی کے ہاتھوں ہو چکی تھی سلطنت ایران مکمل طور پر یونانی امراء کے ہاتھوں میں آ چکی تھی۔ یونانی رئیس وسط ایشیا اور منگولیہ کی سیاست کے باہمی تعلقات کی نوعیت سے قطعی ناواقف تھے وہ کسی صورت میں بھی وسط ایشیا کی سیاست کے نشیب و فراز اور اپنی خارجی و داخلی پالیسیوں کے مضمرات سے نابلد تھے۔

انھیں پیدا ہونے والے مہیب خطرات کا صحیح ادراک نہ تھا چنانچہ یونانیوں کی سیاسی ناتجربہ کاری کا بر وقت اندازہ کرتے ہوئے اہل چین نے مناسب وقت پر دیوار چین کی تعمیر و مرمت پر پوری توجہ دی اس علاقے میں اپنی

شمالی سرحدوں پہ اُن کی مذکورہ پوری توجہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ وسط ایشیاء و منگولیہ کی سیاست پر اپنے اثرات مرتب کر رہے تھے جسکا بعد میں انھیں بے حد فائدہ پہنچا جبکہ ایران اور ہند بعد میں وسط ایشیاء کے قبائل کی خوں ریزی کا شکار بن گئے اور اس علاقے میں سیاسی نظم و ضبط عدم توازن کا شکار ہو گیا جس کے اثرات ان علاقوں میں بڑی طویل مدت تک معاشی و اقتصادی مفادات کو متاثر کرتے رہے۔

الغرض سدِ سکندری کی تعمیر بحر الکاہل کے قریب سے شروع ہوتی ہوئی منگولیہ بلادِ چین کے درمیان سے ہوتی ہوئی مشرق سے مغرب کی طرف بڑھتی ہے اور تقریباً مشرق سے مغرب کی طرف دو ہزار کلو میٹر سے زائد فاصلہ خطِ مستقیم کی شکل میں طے کرتی ہے اور یہ سلسلہ صحرائے گوبھی کے قریب ختم ہو جاتا ہے۔ صحرائے گوبھی بھی بذاتِ خود ایک سر د ریگستانی ہے جو وحشی قبائل کیلئے ناقابلِ عبور مرور یا کم از کم ان کے آگے کی طرف کسی منظم پیش قدمی میں زبردست قدرتی رکاوٹ پیش کرتا ہے۔

سدِ سکندری کا تیسرا جزء بحر کسپین ہے جو بذاتِ خود ایک عظیم سمندری دیوار کا کام ان وحشی قبائل کی پیش قدمی کے حق میں انجام دیتا ہے۔ اس سمندر میں مغربی سرے سے جانب مغرب شرقاً غرباً ایک بڑا پہاڑی سلسلہ چلا گیا ہے جو کوہ قاف کے پہاڑی سلسلے کے نام سے جانا جاتا ہے۔ بحر کسپین اور بحر اسود کے درمیان میں یہ پہاڑی سلسلہ بہت دشوار گزار اور بلند پہاڑی سلسلہ ہے۔ قدیم کتابوں میں جو الفاظ اس قاف سے اُس قاف تک مستعمل ہوئے ہیں۔ وہ الفاظ کوہ قاف اور کوہ ہمالیہ کیلئے مستعمل ہوا کرتے تھے۔ الغرض کوہ قاف کا یہ پہاڑی سلسلہ جس میں جابجا دربند بنوائے گئے ہیں سدِ سکندری کا دوسرا

اہم مقام ہے جہاں پر سب سے زیادہ دباؤ اُن قبائل کا تھا جو دشتِ قبچاق میں منگولیہ سے پولینڈ کے وسیع و عریض خطہ ارض میں پھیلے ہوئے تھے یہاں پر پہاڑی دروں کو مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا گیا تھا۔ اور ان دروں کی حفاظت کیلئے بڑے طاقتور لوگوں کو متعین کیا جاتا تھا۔

پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے کہا میں سد تک گیا ہوں اور اسکو دیکھا ہے آنحضرت نے کہا اس کی طرح بیان کر اُس نے کہا جیسے چادر خانہ لنگی کے۔

فرمایا تو سچا ہے۔

خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمرؓ کے زمانے میں یہاں کے حکمران نے خلافت اسلامیہ کی اطاعت قبول کر لی خلیفہ دوم نے اسکو اس مقام کا حکمران دوبارہ مقرر فرما دیا اور اس کے ذمہ ان دربندوں کی حفاظت کی ذمہ داری مقرر فرما دی اور اسکو خراج سے مستثنیٰ قرار دیا۔ ذوالقرنین نے بحر اسود اور بحر روم کو آبنائے باسفورس کے ذریعہ ملا دیا۔ نہر کاٹ کر اس طرح ایک خطہ ارض سمندری دیوار سے جدا کر دیا گیا۔ سد سکندری بظاہر ایک اڑکی شکل میں ایک حیاتی خط فاصل کے مماثل تھی۔ لیکن باطن میں وہ بیلٹ شاہ راہ کا کام بھی دیتی تھی بحر الکاہل کے سمندر کو وسط ایشیا کے قلب تک بذریعہ ایک راہ داری کے ملاتی تھی اس طرح سد سکندری اطلاعات عامہ کا بھی ایک اہم ذریعہ تھی۔ وسط ایشیاء کی سیاسی وسماجی صورتحال کا صحیح اندازہ بروقت اطلاعات کے ذریعہ مرکز اقتدار تک پہنچا ہوا۔ جہاں حسب ضرورت صورتحال کے موافق احکامات جاری ہوتے اور یہ عمدہ انتظام سوا سو برس تک جاری وساری رہا۔ جب عالمی اقتدار اعلیٰ ورثاء ذوالقرنین کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

تب انھوں نے اس دیوار کی نگہداشت سے چشم پوشی اختیار کر لی اسکا
نتیجہ یہ ہوا کہ تیسری دُنیا کے ممالک مختلف ادوار میں مختلف قبائل کے
ظلم وستم وخوں ریزی کا شکار بنے مثلاً زمانے قریب میں ساکا ستھیوں ہُن
اور عصر حاضر میں چنگیزی منگول۔ وغیرہ۔

سدِ سکندری کے مقاصد اور قدریں

ہر مقصد کے حصول کے دوران چند قدریں بھی حصولِ مقصد کیلئے جدوجہد کرنے والوں کو حاصل ہوا کرتی ہیں عظیم سدِ سکندری کی تعمیر کا مقاصد بظاہر ایک مضبوط دفاعی لائن تھا۔ لیکن اس دیوار کی تعمیر کے دوران حاصل ہونیوالی قدریں اس دیوار کے مقاصد سے بھی زیادہ قیمتی رہے ذوالقرنین کو اس دیوار کی تعمیر میں کئی سال لگ گئے۔ دورانِ تعمیر سدِ سکندری بعض اہم ترین دوسرے واقعات بھی ساتھ ساتھ ایک کے بعد دیگر وقوع پذیر ہوتے رہے جیسا کہ قرآنی آیت سے ثابت ہے ذوالقرنین نے کہا "لاؤ میرے پاس ٹکڑے لوہے کے یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں پہاڑوں کے کہا پھونکو یعنی دھونکو یہاں تک کہ جب کر دیا اسکو آگ ان آیات سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ نے بڑے پیمانے پر زمین سے کچدھات لوہے کی جمع کروائی اس لئے یہاں پر لوہے کے ٹکڑے کا لفظ استعمال ہوا اور جب بھاری مقداریں لوہا جمع ہوا آپ نے اس سے فولاد سازی کا کام شروع کیا لفظ صدفین کا استعمال قرآنِ مقدس میں ہمارے اس نظریہ کو تقویت دیتا ہے قرآن میں صرف ایک سورۃ میں کہف سدین۔ صدفین اور رُدمًا کے الفاظ کو مختلف موقعوں پر الگ الگ مفہوم کے پس منظر میں استعمال فرمایا۔

انگریزی میں ان الفاظ کے معنی بڑی معنویت رکھتے ہیں اور اسی طرح

عربی فصاحت و بلاغت میں بھی ان الفاظ کے بہت ہی اثر انگیز معنیٰ ہیں
مثلاً کہف CAVE سدّین MOUMTAIN صُدفَین CLIFF اور
رَدمًا BANK لفظ صدفین کا انگریزی ترجمہ CLIFF تو اپنی معنویت
زبردست اسرار رکھتا ہے۔ مثلاً انگریزی میں لفظ CLIFF ایسے پہاڑی
سلسلے کو کہتے ہیں جو سیدھا جاتے ہوئے اچانک منقطع ہو جائیں اگر ایسے
دو سلسلے ایک دوسرے کے رُو برو ہوں تو ان دونوں کے درمیان عظیم دراڑ
نظر آتی ہے جس میں ہوا کا دباؤ کئی سو گنا زیادہ تیز بہاؤ ہوتا ہے جس سے معاشی
فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ ذوالقرنین نے ان دو عظیم صَدفوں کے درمیان
پیدا ہونے والی دراڑ کو فولاد کی بھٹی کے طور پر استعمال کیا۔ آپ نے بڑی بھاری
مقدار کچدھات جمع کی جب بڑی بھاری مقدار کچا لوہا جمع ہوا تو اسکو گلا کر
فولاد سازی کا عمل شروع کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس طاقتور قوم کی مدد
سے یہ کام انجام دیئے اور یہ قوم سمجھتی رہی کہ لوہے اور تانبے کے عظیم ذخائر کا
مقصد اس عظیم دیوار کی تعمیر ہو۔ جیسا کہ بعد کی آیات سے ظاہر ہے کہ پھونکو یا
دھونکو یہاں تک کر دیا اُسکو آگ لفظ "آگ" مختلف مفسّرین کی اس رائے کو
غیر درست قرار دیتی کہ دیوار بنا کر اُسکو آگ دھونکا گیا اور اُسکو یہاں تک
گرم کیا گیا کہ وہ سُرخ آگ ہو گئی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی انسانی تعمیر آگ کے
لگنے کے بعد خود بخود ختم ہو جاتی ہے جہاں تک لوہے اور تانبے کی دیوار بنانے کا
تصور ہے وہ یوں بھی غیر درست قرار پاتا ہے کہ لوہے اور تانبے کی اینٹوں کا دیوار کے
بنانے میں استعمال انسانی عقل سے بالاتر ہے۔ یہ چیز بے مقصد اور بے فیض ہے۔
یہ بات ممکن ہو کہ منظم طریقے پر تراشے ہوئے پتھروں کی دراڑوں کو بند کرنے کی
اور اُنھیں بارش و زلزلے اور بجلی کے مُضر اثرات سے محفوظ رکھنے کیلئے ان

دراوڑوں میں پگھلتے ہوئے لوہے اور تانبے کو استعمال کیا گیا ہوگا۔ ہماری اس بات کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ لوہے کے بعد فوری آیت اللہ میں تانبے کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ لوہے کو پانی اور ہوا ختم کر ڈالتے ہیں۔ اگر اسکو تانبے کی چادر سے محفوظ کر لیا جائے تو اندر کا لوہا بالکل محفوظ ہو جاتا۔ دیوار بجلی اور زلزلے کے اثرات سے بھی ایک حد تک محفوظ رہ سکتی ہے۔

آیات قرآنی کے مفہوم کا پس منظر حقیقی طور پہ یوں ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے کمال دانشمندی سے لوہے کی طاقت کا راز پا لیا تھا اور آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ترقی یافتہ قومیں لوہے اور فولاد سازی اور اس کے طاقت کے بھید کو ایک قومی راز ہی سمجھا جاتا ہے اس پہ ہونے والے ہر قسم کے ریسرچ کو ہر قوم پوشیدہ رکھتی ہے ذوالقرنین نے لوہے اور فولاد کے اس عظیم ذخیرے سے ایک نئی صنعتی پہل شروع کی۔ جس کو مزید دلائل سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

دوم یہ کہ اس کے فوری بعد آپ نے کہا جیسا کہ قرآن کہتا ہے:۔

قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا یہ الفاظ ذوالقرنین کے ہیں۔ جس کو قرآن یہ بتلاتا ہے کہ سیدنا سلیمانؑ کے حق میں اور بہا دیا ہم نے چشمہ تانبے کا ہر دو برگزیدہ حکمرانوں کے ذکر کے ساتھ قرآن میں تانبے کا ذکر ہوا جس سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ تانبے کا ذکر ان حکمرانوں کیساتھ ساتھ بہت ہی ذومعنی ہے اس میں کچھ اور حکمتیں پوشیدہ ہیں جن پہ سادگی کے ساتھ ہم نے غور نہیں کیا تانبے کی معاشی واقتصادی اہمیت عصر حاضر میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ذوالقرنین نے کہا لے آؤ میرے پاس۔ ڈالو اوپر اس کے تانبہ گلا ہوا فولاد سازی کے عمل کے بعد آپ نے تانبے کے عظیم ذخائر طلب کئے اور اس پگھلتے ہوئے تانبے سے ایک نیا نظام زر مروج کیا اس زمانے میں جتنے ممالک کے

عوام بارٹر سسٹم پر بھی منحصر تھے آج کے اس ترقی یافتہ دور تک بھی تانبے کا
سکہ ہی نظام زر کی بنیادی اکائی سمجھا جاتا ہے جو ہماری زبان میں پیسہ
کہلاتا ہے۔ ذوالقرنین کی اس عظیم دیوار سدِ سکندری کی منصوبے اور سلیمانؑ
پیغمبر کے عظیم ہیکل کی تعمیر کے منصوبے میں بعض بنیادی مشابہتیں ملتی ہیں۔
مثلاً حضرت سیدنا سلیمانؑ نے دوران تعمیر ہیکل سلیمانی لبنان کے حکمران سے
بہت۔ بڑے پیمانے پر عمدہ لکڑی حاصل کی اگرچیکہ سلیمانؑ نے مزدوروں کی
مزدوری ادا اور جنگل کی معاوضہ متعلقہ حکمرانوں کو نقد ادا کیا ظاہری مقصد
بظاہر عمدہ لکڑی کا حصول ہیکل سلیمانی کے تعمیر کے پیش نظر تھا۔ لیکن اس
حیلے سے اتنی بڑی مقدار میں عمدہ لکڑی جمع کر لی گئی کہ بعد میں عظیم بحری
بیڑے اس لکڑی کی مدد سے تیار کر لئے گئے اور اطراف واکناف کے حکمرانوں میں
کسی قسم کا حراس بھی پیدا نہ ہوا اور انہی بحری بیڑوں کی مدد سے مقبوضات
طرسیس اور اوفیر سے اتنی بڑی مقدار سونا ہاتھی دانت حاصل کئے گئے کہ
بعد میں ہیکل سلیمانی میں دنیا کے عظیم ترین ذخائر طلا کا ذخیرہ ممکن ہو سکا۔
جس کی مدد سے حضرت سلیمانؑ نے عالمی تجارت کو نئی جہتیں دیں نئی بین الاقوامی
شاہراہیں کھولدیں۔ ایسا ہی کچھ ذوالقرنین نے سدِ سکندری کی تعمیر کے دوران
کیا اور کسی استعمال کے بغیر لوہے اور تانبے کے ذخائر جمع کر لیئے اور زمانے قدیم
میں تجارت وصنعت کی نئی بنیادیں رکھیں جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا یہ ساری
صنعتی طاقت کو ذوالقرنین نے بلادِ ہند میں منتقل کر دیا۔ مشرق وسطی کے
سارے علاقے صنعت اور ٹکنالوجی سے عاری ہی رہے عصر جدید میں
ریاست متحدہ امریکہ نے بحیثیت مقتدر اعلیٰ حکومت کہ فورٹ ناکس میں
عظیم ترین ذخائر طلا کا ذخیرہ کیا۔ جو شاید روئے زمین کا سب سے بڑا

ذخیرہ طلاہے (35 ڈالر فی اونس کے حساب سے 13 ارب ڈالر کا ذخیرہ طلا بیسویں صدی کی ساتویں دہائی تک موجود تھا اور اس وقت کم یہ ذخیرہ طلا فورٹ ناکس میں موجود ہے جس کی موجودہ بازاری قیمت 95 ارب ڈالر سے زائد ہے۔ ان ذخائر کی مدد سے ریاست متحدہ امریکہ نے مروجہ عالمی نظام زر کو بڑی تقویت پہنچائی اور اپنے سکہ ڈالر کو بطور ریزرو کرنسی کے اقوام عالم کے سامنے پیش کیا ۔ ۱۹۴۴ء کے برٹن ووڈ ہیمپشائر کانفرنس کے بعد طے شدہ تحقیقات کی روشنی میں ریاست متحدہ امریکہ نے گذشتہ کئی دہائیوں سے زیادہ عرصے تک عالمی معاشی نظام زر کو سہارا دیا۔ عالمی تجارت کو دنیا کی سب سے بڑی صنعتی اور تجارتی طاقت ریاست متحدہ امریکہ کی اس عظیم پیشکش سے لامحدود فوائد حاصل ہوئے۔ ایک ایسے پرآشوب دور میں جب کہ دنیا دو بڑی بھیانک جنگوں کی بدولت تباہ و برباد تھی تمام نسل انسانی بڑھتی ہوئی آبادی اور محدود تر معاشی وسائل سے دبی ہوئی تھی۔ برطانوی پونڈ اسٹرلنگ اور اس کے گرتے ہوئے محفوظ ذخائر کے ونیز برطانیہ کے محدود صنعتی طاقت اور دن بہ دن گرتی ہوئی جنگ زدہ برطانوی معیشت عالمی نظام زر کی بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں کی قطعی متحمل نہ تھی دو عظیم جنگوں سے تباہ شدہ انسانی سماج کو ریاست متحدہ امریکہ کے برٹن ووڈ نیو ہمشائر کے ۱۹۴۴ء کے تیقن سے لامحدود فوائد حاصل ہوئے۔ عالمی تجارت کو ریاست متحدہ امریکہ کی عظیم صنعتی طاقت اور اسکی بڑھتی ہوئی معاشی وہ تجارتی سرگرمیوں کے بدولت بے پناہ حوصلہ اور تحفظ ملا۔ ایسے نازک وقت میں قدرت نے بھی انسان کو اپنی فیاضی سے پوری طرح نوازا ریاست متحدہ امریکہ میں پٹرول کے چشمہ

برآمد ہوئے۔ ایران اور عرب کے پیٹرول نے ریاست متحدہ امریکہ کی
کوششوں کو بے پناہ قوت و طاقت فراہم کی اگرچہ ریاست متحدہ کی بڑھتی
ہوئی تجارتی و صنعتی اثر و رسوخ کو بعض حلقوں میں مسابقتی جنگ کا
روپ دیا۔ بدقسمتی سے ریاست متحدہ کے حلیف ممالک کے دباؤ اور خاص
طور پر سابقہ صدر فرانس مسٹر ڈیگال کی مبہم پالیسی کی وجہ سے ریاست
متحدہ نے بریٹن ووڈ نیوہمشائر نے دیئے ہوئے تیقنات سے دستبرداری
اختیار حاصل کرلی جس کی وجہ سے عالمی نظام زر کو ایک شدید
بحران سے دوچار ہونا پڑا سونے کی عالمی منڈیوں میں 35 ڈالر فی اونس
سے بڑھ کر دس گناہ سے بعض مرتبہ ۲۰ گنا تک بڑھ گئی۔ اس صورت حال کا
سب سے زیادہ فائدہ جنوبی آفریقہ آسٹریلیا اور سوویت یونین کو
پہنچا کیونکہ یہی وہ ممالک تھے جو دنیا کے سونے کا 75% حصہ پیدا کرتے
ہیں۔ سونے کی یہ قیمت میں پیدا ہونے والی انتشاری صورت اور بڑھتی ہوئی
ضرورت کے پیش نظر اقتصادی ماہرون نے یس۔ ڈی۔ آر س اسپیشل ڈرائنگ رائٹس کا
نظریہ پیش کیا۔ اب تک کئی ارب ڈالر کے یس۔ ڈی۔ آر جاری ہو چکے
ہیں لیکن صورت حال جوں کی توں ہے۔ مسئلہ کی شدت میں کوئی کمی نہیں ہوئی
ریاست متحدہ نے ایک اور جرأت مندانہ قدم اٹھاتے ہوئے حالیہ عرصہ میں
شرح سود میں اضافہ کیا جس کی وجہ سے عارضی طور پہ عالمی معیشت کو تھوڑا سا
سہارا ضرور ملا لیکن دوامی طور پہ عالمی اقتصادی یا مالیاتی نظام زر کی ضرورتوں
کی تکمیل کوئی جامعہ تدبیر نہیں کی جاسکی۔

الغرض ماضی بعید میں ذوالقرنین نے بارٹر سسٹم کی عوض ایک نیا معاشی
نظام درپیش کیا اور قیمتی دھاتوں میں سب سے پہلے تانبہ کو دنیا کی معاشی

اکائی کے طور پر پیش کیا تانبہ کی معاشی و اقتصادی افادیت اور انسانی زندگی کے ہین دین میں اس کی افادیت کا اندازہ حضرتِ سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں بھی آیا ہے۔

وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ (سبا) شاہ عبدالقادر صاحب نے اسکا ترجمہ یوں کیا ہے اور بہا دیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلے تانبہ کا مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ خدا اپنے ایسے بندوں کو جنہیں وہ زمین پر اقتدارِ اعلیٰ عطا فرماتا ہے۔ کائنات کے تکوینی تقاضوں کی تکمیل کے لیے اعلیٰ وسائل بھی عطا فرماتا ہے۔ سیّدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے خدا کی دی ہوئی اس نعمتِ بیش بہا سے پورا پورا فائدہ نسل انسانی کو پہنچایا۔ بلکہ آپ نے قیمتی دھاتوں کی کھوج عظیم الشان پیمانے پر کروا کر ان قیمتی دھاتوں کو زرِ تبادلہ کے طور پر استعمال فرمایا۔

(اخبار الایام کے بموجب) پھر اقوام غیر میں سے لقیۃ السیف کنعان میں بیچ رہے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کا شمار کر کے جو ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ پائے گئے اُن کو مصالح ڈھونڈنے اور پہاڑ کھودنے کے کام پر لگایا۔ ہفت اقالیم سے معیاری مقدار میں سونے کے ذخائر بیت المقدس میں جمع کئے گئے الغرض حضرت ذوالقرنین نے بین الاقوامی مالیاتی نظام زر کی بنیاد رکھی اور اپنے لامحدود وسائل سے جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

"ہم نے قدرت دی تھی بیچ زمین کے" نیز ذوالقرنین خود اپنے الفاظ میں کہتے ہیں۔ "جو کچھ قدرت دی ہے بیچ اس کے رب میرے نے بہتر ہے۔ قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرًا"

آپ نے اپنے تمام وسائل کو نسلِ انسانی کی فلاح و بہبودی کے لیے استعمال کیا

اور ان تمام امور کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ پس نہ کرسکیں کہ چڑھ آویں اوپر اسکے
اور نہ کرسکیں کہ سوراخ کریں اسمیں

ذوالقرنین کے اس دعوے کو من وعن پیش کیا گیا۔ مندرجہ بالا دعویٰ
ذوالقرنین کے تجزیئے سے ہمارے اس نظریئے کی خود بخود تصدیق ہو جاتی ہے۔
جسکو ہم نے مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا جیسا کہ قرآن کہتا ہے نہ کرسکیں گے
چڑھ آویں اوپر اسکے روئے زمین پر کوئی ایسی دیوار ممکن نہیں کہ جسکو انسان
فتح نہ کرسکے یا چڑھ نہ سکیں لیکن خدا کے ایک برگزیدہ بندے کا دعوا غلط بھی
نہیں ہو سکتا اگر یہاں پر صرف دیوار مقصد ظاہری ہوتی تو یقیناً خدا کا
ایک منتخبہ بندہ ہرگز ہرگز یہ دعویٰ نہ کرتا کہ اس پر نہ چڑھ سکیں گے
اور نہ ہی نقب لگا سکیں گے۔ کیونکہ یہ دو امور ممکنات میں سے ہیں،
اور ایک عظیم دیوار جو مشرق سمندر سے ایشیائی خطہ عرض کے عین قلب تک
سینکڑوں میل تک پھیلی ہوئی ہے۔ قطعی طور پر انسانی دسترس سے باہر نہیں
ہو سکتی اور اس کی لاثانی طوالت اس کے کسی بھی دفاعی نظام کو کبھی بھی ختم
کرتے ہوئے دشمن کے لئے قابل عبور ضرور بن سکتی تھی۔ اگرچہ یہ ایک
عظیم دفاعی لائن ضرور تھی باوجود ان خوبیوں کے بھی ایسے بڑے دعویٰ کے متحمل
نہیں ہو سکتی تھی۔

یہاں پر یقیناً ذوالقرنین کا دعویٰ اس دیوار کے ظاہری صورت پر نہ تھا۔
بلکہ یقیناً ذوالقرنین کا دعویٰ اس عظیم مالیاتی نظام زر اور اس عظیم صنعتی طاقت کے
پس منظر میں تھا۔ جس کی موجودگی میں ایسا دعویٰ سچا اور برحق ہو سکتا تھا۔
دین حق وکلمۃ الحق کے ساتھ ساتھ مضبوط صنعتی ڈھانچہ اور عمدہ مالیاتی نظام زر
تشریعی وتکوینی کی ایک مضبوط مرکز کا باعث بن سکتا تھا۔ کیونکہ ذوالقرنین نے

اِن منصوبوں کو پایۂ تکمیل کو پہنچا لیا تھا۔ چنانچہ اسی پس منظر میں انہوں نے یہ دعویٰ پیش کیا اور اپنے اس دعوے کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک شکر گذار بندے کی طرح اس بات کا اقرار کیا کہ یہ مہربانی ہے۔ پروردگار میرے کی پس جب آوے گا وعدہ میرے پروردگار کا اس کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور ہے وعدہ رب میرے کا سچا۔

مندرجہ بالا الفاظ ذوالقرنین کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے کتنے شکر گذار اور مقرب بندے تھے اُس باغ والے کے مُقابل جس نے ایک ادنیٰ باغ کی آبیاری کر کے یہ کہتا تھا کے میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا ذوالقرنین ایک انتہائی عظیم دیوار کی تعمیر کے بعد ہی یہ سمجھتے رہے کہ یہ فانی دیوار ایک دن ریزہ ریزہ ہو جائے گی جب وعدے کا دن آئے گا وہ اقرار بِاللّساں کرتے ہیں کہ ان کے رب کا وعدہ سچا ہے وکان وعد ربی حقا کونسا وعدہ وہ وعدہ جس دن صور پھونکا جائیگا۔ آگے کی آیتوں میں بتلایا گیا اُس دن یاجوج وماجوج موج در موج روئے زمین پر پھیلے ہوں گے سالِ گذشتہ شہر لندن میں ایک دلچسپ مُباحثہ ہوا۔ جس میں بعض عالموں نے حصّہ لیا۔ بس میں سے ایک عالم نے قیامت کے بارے میں سوال کیا دوسرے عالم نے فوری کا ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے اُس عالم سے سوال کیا تیا قرآن میں کس مقام پر قیامت کا ذکر آیا۔ سوال کرنے والا حیرت کے عالم میں مبہوت بنا رہا نتیجتاً دوسرے نے اپنی ہوشیاری سے مذاکرہ جیت لیا۔ دوم یہ کہ قیامت کے تعلق سے یہ خیال پایا جاتا تھا کہ قیامت تیرہ سو سال بعد آئے گی۔ اور اکثر لوگ آثار قیامت کو پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روشنی میں تلاش کرتے اور عصرِ حاضر کے حالات پر

اِن کا انطباق کرتے اور اکثر و بیشتر عجیب و غریب حکایتیں سُننے میں آتیں کہ فلاں ملک میں فلاں علاقے کے باشندوں کو اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ فلاں دن قیامت آنے والی ہے۔ اُس دن کا بڑی بے چینی سے انتظار کیا جاتا۔ بعض کمزور عقیدہ لوگ کچھ متفکر ہو جاتے لیکن باوجود انتظار کی قیامت اُس دن وقوع پذیر نہیں ہوتی اور نہ ہی صور پھونکا جاتا موضوع چونکہ دلچسپ ہوتا اِس لئے ہر کوئی اس میں دلچسپی لیتا بعض اونچی سطح کے ذہین و باصلاحیت محققین نے بھی عنوانِ قیامت میں فاش غلطیاں کر ڈالیں دلچسپ بات یہ ہے کہ آیت اللہ اور حدیثِ نبوی کی روشنی میں یاجوج و ماجوج دجّال اور مہدی موعود کے بارے میں مختلف قوموں اور افراد پر انطباق کیا گیا۔ بے علمی کی کیفیت میں ہونے والی سرگرمیوں کی وجہ سے بے حد مایوسی و ابتری پھیلی اور بعض حالتوں میں اس صورتِ حال سے ناقابلِ تلافی نقصان پہونچا عام انسانوں سے خطرِ نظر اونچی سطح کے مفکروں نے بھی قرآن میں فکر کرنا چھوڑ دیا اور اپنی بیشتر صلاحیتوں کو آثارِ قیامت کی تلاش میں صرف کر ڈالا قرآن پاک میں بار بار تاکید خداوندی کے باوجود آیاتِ الٰہی میں غور و فکر ترک کر دیا۔

اعلیٰ علمی حلقوں نے کُلَّ یَوۡمٍ هُوَ فِیۡ شَاۡنٍ کو پس پشت ڈال دیا۔ پس جو اوپر بے کار جھاگ رہتے ہیں وہ تلف کر دئے جاتے ہیں جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین پر ٹھیرا دیا جاتا ہے۔ ذہنی جمود و تعطل نے خدا کی اس عادت سے سب کی توجہ ہٹا دی نتیجتاً ابتری، پستی اور ذلت میں مبتلا ہوئے علمی پسماندگی کا تاریک تر پہلو یہ ہے کہ خلافت تشریعی نہ خلافت تکوینی کے تقاضوں حکمتوں اور اُس کے پسِ پردہ کارفرما محرکات کو

یکسر بھلا دیا گیا۔ جس کا سب سے زیادہ خمیازہ عثمانی ترکوں کو بھگتنا پڑا پھر بتدریج تمام ملتِ اسلامیہ اس کی گرفت میں آ گئی مسئلہ کا عبرتناک پہلو یہ ہے کہ ابتک بھی اس کے پیچھے کارفرما۔ قدرتی محرکات یا امرِ رب کے تقاضوں کی حکمتوں کو باوجود یکہ وہ ظاہر ہو چکی ہوں سمجھنے سے قاصر رہی ہیں۔

یوم قیامت

حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں

موضوع بحث کی اہمیت کے پیش نظر ہم ذوالقرنین کے الفاظ میں بیان ہوئے وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا کا ایک سرسری جائزہ لینگے ارشادِ نبویؐ ہے کہ كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ مہربانی سے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے رحم و کرم کو کہ تم کو قیامت کے دن تک متحد الکلمہ و متفق کردے گا جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

عربی لغت کی رو سے قیام قیامۃ ایک ہی مادّے کے لفظ ہیں قیام کے معنی مصدر کے ہیں یعنی اٹھنا اور قیامۃ کے معنی حاصل مصدر کے یعنی اٹھان مرنے اور بگڑنے کے بعد ایک خاص قسم کی اٹھان اور ساعۃ کے معنی گھڑی یعنی ایک اچانک آلینے والا وقت موت کا وقت فرد کی موت کا قوم کی موت کا اور کائینات کی موت کا و بربادی کا وقت موت انسانی کی طرح حیاتِ انسانی بھی تین طرح کی ہے۔

فرد کی حیات، قوم کی حیات کائنات کی حیات قیامت صغریٰ فرد کی موت کہلاتی ہے۔ قیامتِ وسطیٰ قوم کی موت ہے قیامتِ کبریٰ کائینات کی

موت ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں قوموں کی تباہی و بربادی کے ایام کو عذاب یوم عظیم، یوم عقیم، یوم کبیر، یوم الیم وغیرہ وغیرہ۔ بیان ہوئے ہیں۔ قیامت کبریٰ عالمیہ کے تعلق سے تمام قوموں کا عقیدہ ہے کہ یاجوج و ماجوج والی قیامت ہی قیامت کبریٰ ہے۔ جیسا کہ سورۃ الکہف میں قرآن کہتا ہے" یہاں تک کہ جب کھولدیئے جائیں گے یاجوج وماجوج اور وہ ہر اونچی ٹیکری سے سیلاب کی طرح بہتے چلے آرہے ہوں گے اور سچا وعدہ قریب آگیا۔ پس یکایک دیکھوگے کہ منکروں کی آنکھیں ٹکٹکی باندھے خیرا ہورہی ہیں کہ ہائے ہم اس سے غفلت میں رہے تھے"۔
حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا ھِیَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَا وَیْلَنَا قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ ھٰذَا۔

یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ذوالقرنین نے بھی اپنی تعمیر کردہ دیوار کے پاس وَکَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا فرمایا اور خدائے پاک نے بھی وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ۔ ارشاد فرمایا" احیاء العلوم میں حضرت امام غزالیؒ نے جن ناموں کی فہرست دی ہے ان میں سے بہت سے ناموں کا اطلاق قیامت کبریٰ عالمیہ سے زیادہ قیامت ہائے وسطیٰ پر زیادہ چسپاں ہوتے ہیں۔

(۱) "عذاب یوم کبیر" بڑے درد کا عذاب۔

(۲) "یوم البطشۃ کبریٰ" بڑی دار وگیر کا اور بڑی پکڑ جکڑ کا دن۔

(۳) "یوم الفزع" گھبراہٹ کا دن۔

(۴) "یوم التناد" ایک دوسرے کو پکارنے کا دن۔ ایک قوم دوسری قوم کو پکارنے کا دن۔

(۵) "عذاب یوم کان شرہٗ مستطیرا" اس دن کا عذاب جس کا شر و فساد تمام عالم میں پھیل جائیگا۔

(۶) "عذاب یوم غلیظ" سخت گاڑھے اور کٹھن دن کا عذاب۔
(۷) "عذاب یوم الیم" درد دینے والے دن کا عذاب۔
(۸) "القارعۃ" ٹھوک بجانے والی کھلنے والی بلا۔
(۹) الصاخۃ" کان پھوڑنے والے شور و غوغا والی آفت۔
(۱۰) الطامۃ الکبریٰ" تمام دنیا کو مصیبتوں سے بھر دینے والی بلا۔
(۱۱) الواقعۃ" ضرور واقع ہونے والی بلا۔
(۱۲) الحاقۃ" واجبی اور واقعی بلائے بے درماں واقعۃ الوقوع۔
(۱۳) الخافضۃ الرافعۃ" کسی کو پست اور کسی کو بلند کرنے والی۔
(۱۴) الراجفۃ" زمین کو ہلا دینے والی۔
(۱۵) الآزفۃ" ہر سر گھڑی آلگنے والی مصیبت۔
(۱۶) النبأ العظیم" عظیم الشان واقعہ و حادث۔
(۱۷) "الغاشیۃ" دنیا پر چھا جانے والا حادثہ دنیا کو مصائب سے ڈھانکنے والا حادثہ

قیامت کبریٰ کے وقوع پذیر ہونے پر ایمان شرطِ ایمان سے اس کا انکار کفر ہے۔ قرآن پاک میں ہے "لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ" یعنی اس کے وقت پر خدا اُس کی حقیقت واضح کر دے گا انسانی فطرت میں طبعاً تجسّس کا مادہ بدرجہ اتم موجود ہے چنانچہ اصحاب رسولؐ کے تجسّس کے بدولت بعض علاماتِ قیامتِ کبریٰ سے متعلق پیغمبر خداؐ نے بتلائے احادیث میں آیا ہے کہ:-

(۱) طلوع الشمس مِنْ مَغْرِبِهَا۔ (۲) مسیح و دجّال (۳) یاجوج و ماجوج
(۴) دابۃ الارض (۵) دُخان۔

آیاتِ قرآنی اور احادیث نبویؐ کو سمجھانا بعض خاص صورتوں میں بے حد مشکل

ہوجاتا ہے علامہ محدث سیوطیؒ نے لکھا ہے۔ (عربی مفہوم)

اما القرآن فتفسیرہ علی وجہ القطع لایعلم الا بان یسمع من النبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم وذلک متعذر الا فی ایات قلائل فالعلم بالمراد یستنبط بامارات ودلائل والحکمۃ فیہ ان اللہ اراد ان یتفکر عبادہ فی کتابہ فلم یامر نبیہ بالتنصیص علی المراد فی جمیع ایاتہ۔

(اکفان صفحہ 522)

ترجمہ:۔ "لیکن قرآن کی تفسیر یقینی طور پر اسکا علم نہیں ہو سکتا بجز اسکے کہ وہ آنحضرت صلعم سے سنی جائے اور یہ بہت مشکل ہے سوائے چند تھوڑی سی آیتوں کے لہٰذا مرادِ الٰہی کا استنباط چند نشانیوں واشارات ودلائل سے ہو سکتا ہے اور اس میں یہ حکمت الٰہی مضمر ہے کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کی کتاب میں غور وفکر کریں۔ اس واسطے وہ اپنے نبیؐ کو حکم نہیں دیا کہ آپؐ مرادِ الٰہی پر تنصیص اور اسکی تعین کر دیں"۔ اس کے لئے امتی کو صاحب درجات بننا پڑتا ہے جیسا قرآن شریف خود کہتا ہے۔

"الٓمٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝

"یہ کھلی کتاب ہے جس میں کچھ کجی نہیں صرف تقوے والوں کو ہدایت دیتی ہے قرآن سے ہدایت پانے کیلئے روشنی حاصل کرنے کیلئے مفہوم قرآن کو اس کے حقیقی پس منظر میں سمجھنے کیلئے شرائط بتلا دی گئیں ہیں۔ جس میں تقویٰ کی شرط کو قرآن میں اپنے سب سے پہلے بیان میں بتلا دیا ہے۔ انہی خطوط پر کلام الٰہی میں اور حدیث نبویؐ میں بھی بعض پوشیدہ رموز ہیں جس کا اظہار یا اطلاق ابھی تک واضح طور پر انسانی سمجھ میں نہیں مثلاً حروف مقطعات شبِ قدر قیامت یا ساعۃ وغیرہ وغیرہ۔

ممکن ہو یہ باتیں افراد زماں و مکاں سے متعلق ہوں اگرچہ علامات قیامت یہاں پر ہمارا موضوع نہیں ہے ہم صرف قیامت سے متعلق معلومات حاصل کریں گے اصحاب رسول نے علامات قیامت سے متعلق بڑا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ آیات قرآنی کے بعد جس حدیث کو سب سے زیادہ اہمیت سے آثار قیامت کے بارے میں دی گئی وہ حدیث یہ تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا (کما فی الاحادیث الصحیحۃ)

بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَۃَ کَھَاتَیْنِ وَاَشَارَ اِلَی السَّبَابَۃِ وَالْوُسْطٰی"۔ میں اور قیامت ایسے اکٹھے ہیں جیسے دو انگلیاں یعنی انگشت شہادت اور بیچ کی انگلی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۝

یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حدیث بیان کرنے والے اس حدیث کو بطور نمونے کے بیان کرتے ہیں کہ کس طرح حدیث بیان کی جانی چاہیے اور بطور نمونہ جب بھی اس حدیث کو بیان کیا جاتا تو اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو کھول کر عربی حروف "لا" یا انگریزی حروف "V" کا نشان بنا کر حدیث بیان کی جاتی ابن عباسؓ اسی طرح حدیث بیان کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ جب کبھی اس حدیث کو بیان کرتے پہلے پیغمبر خدا کی طرح اپنے دونوں انگلیوں کو کھولکر "V" کا نشان بناتے اور پھر اپنے دونوں انگلیوں کو ملا لیتے تب زبان سے پوری حدیث مکمل کرتے۔

چودھویں صدی قیامت
اور
اُس کے مہلک اثرات

تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث اسی طرح بیان کیا جانا چاہیے جس طرح پیغمبر خداؐ نے حدیث بیان کی ہو اگرچہ کہ معدودے چند لوگ پیغمبر خداؐ کے حرکات وسکنات اور اشارات کو اتنی زیادہ اہمیت بھی نہیں دیتے تھے جتنی کہ آپ کے الفاظ کو دیتے ہیں۔ نبویؐ حرکات وسکنات کی عظمت واہمیت کا اندازہ ہم اس حدیث نبویؐ کے تجزیہ سے لگائیں گے کہ اُمتیوں کی ذرا سی خطاء انھیں کتنا ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے۔

عالمِ اسلام کے ایک بلند پایۂ عالم حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں شرح بخاری میں اور دیگر علماء نے اس حدیث سے ایک لطیف استنباط کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا اور قیامت کے درمیان اس حدیث کی روشنی میں تیرا سو سال یا تیرا سو پچاس سال کا عرصہ ہے۔ ان بزرگوں کا استنباط اس طرح پر تھا کہ صحیح حدیث میں مدت حیات دُنیا موجودہ سات ہزار سال بتائی گئی ہے۔ یہ گویا بیچ کی انگلی کی پوری لمبائی ہے اس میں سے حضور اکرمؐ کے موقف زمانی وہ حد ہے جہاں انگشت شہادت کی لمبائی ختم ہوتی ہے اس کے بعد سے

جو بیچ کی انگلی کا حصہ باقی رہتا ہے وہ گویا آنحضرتؐ کے اور قیامت کا درمیانی حصہ ہے بالاوسط یہ حصہ پوری انگلی کی لمبائی کا ۱/۷ یعنی خمس نہیں بلکہ کچھ کم ہے۔ پورا خمس سات ہزار کا چودہ سو ہوتا ہے لہذا یہ تو یقینی ہے کہ چودویں صدی کے اختتام سے پہلے قیامت ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان بلند پایہ علماء کے اس استنباط نے جو یقینی طور پر پوری حدیث کو سمجھے بغیر سطحی تھا۔ ایک ایسے عقیدہ کا باعث بنا جس نے بتدریج پورے عالم اسلام پر گہرے اثرات مرتب کئے جو جمود تعطل پروان چڑھا مایوسی کا دورہ دورہ ہوا مزاجوں میں گیرائی اور گہرائی کے بجائے سطحیت پسندی سہل انگیزی نے جگہ پائی۔ بحیثیت مجموعی چودھویں صدی اور قیامت کے نظریہ نے زہر ہلاہل کا کام انجام دیا (بار الٰہی ان بزرگوں کو بلند ترین درجات پر پہنچائے اور ان کے وسیلے سے اِس اُمت کے اِس عاجز و کمزور انسان کو بخش دے۔ اجتہادی غلطی قابلِ مواخذہ نہیں)

حدیث نبوی ؐ کی روشنی میں

قیامت تیسویں ۲۳ صدی ہجری کے بعد قائم ہوگی

اب جبکہ چودھویں صدی ختم ہو چکی اس بات کی شدید ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ اس بات کا پتہ چلایا جائے کہ ہمارے ان برگزیدہ علماء سے کہاں بھول سرزد ہوئی۔ ان جلیل القدر بزرگوں سے جو بھول سرزد ہوئی وہ یہ تھی کہ اگر وہ ابن عباسؓ کی اس حدیث کو بیان کرنے کے طریقے پر غور کرتے تو یقیناً ایسی بڑی بھول یا اجتہادی سہو ان جیسے بلند پایہ ہستیوں سے سرزد نہ ہوتی حضرت ابن عباسؓ جب بھی اس حدیث کو بیان فرماتے تو پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نقل کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کے دونوں انگلیوں کو کھول کر لفظ "V" کا نشان بناتے اور پھر اپنے انگلیوں کو ملاتے ہوئے حدیث بیان فرماتے اس حدیث میں بنیادی نکتہ سنّت نبوی کے مطابق کھول جانے والی ان انگلیوں میں پوشیدہ تھا عام طور پر اَلف عربی زبان و نیز آیات قرآنی کے مطابق ہزار برس کے عرصہ کو کہا جاتا جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ نوحؑ الف ثانی میں پیدا ہوئے۔ پیغمبرؐ خدا کی انگشت شہادت ایک الف یعنی ہزار برس کی غمازی تھی اور آپ کی دوسری انگشت جو پہلی انگشت سے تقریباً ایک پوری زیادہ تھی تیرا سو سال کی غمازی تھی کل ملا کر پیغمبر خدا کا اشارہ بڑی اور چھوٹی سے تیس ۲۳ سو سال تھا۔ پہلی انگشت شہادت کے ایک ہزار سال جو آپؐ کی مدنی زندگی کے دس سال کے برابر تھی جبکہ دوسری انگلی جو انگشت شہادت سے

بڑی تھی تیرہ سو سال یعنی آپؐ کی مکّی زندگی کے تیرہ سال کی طرف اشارہ کرتی تھی بحیثیت مجموعی آپؐ کی نبوی زندگی تیئس ۲۳ سال تھی جس میں سے تیرا سال مکّی زندگی اور دس سال مدنی زندگی کے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پیغمبر خدا کی ملی زندگی کلمہ طیبہ کے تشریعی تقاضوں کا رنگ لئے ہوئے تھی جبکہ آپؐ کی مدنی زندگی کے دس سال تشریعی تقاضوں کے ساتھ ساتھ تکوینی تقاضوں کی تکمیل کا شاندار ترین نمونہ تھی۔ تحقیقی طور پر اس مسئلہ میں دلچسپی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ تیرا سو سال کا عرصہ پیغمبر خدا کی ملی زندگی کے تشریعی تقاضوں کی افضلیت کا رنگ لیئے ہوئے تھا۔ لیکن چودھویں صدی کے ابتداء کے ساتھ ہی پیغمبر خدا کی مدنی زندگی کے تکوینی تقاضوں کا رنگ لیئے ہوئے زمانے کا آغاز شروع ہوا۔ اس بات کی باریکی کو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں" والعصر" (زمانہ میں ہوں) زمانے کی قسم" کُلَّ یومٍ ھوا فی الشان" ہر روز میری ایک نئی شان ہے خدائے قدوس کے اس سِر کو اس کی اس شان کو سمجھتے ہیں ہم قطعی طور پر ناکام رہے۔ جبکہ قرآن نے وَالعَادِیات کی سورۃ میں واضح طور پر ہم سب کو متنبہ کر چکا ہے اور ہم کو وارننگ دے چکا۔ لیکن فہم قرآن میں ہم پیچھے رہ گئے" والعادیات" کے معنیٰ و مفہوم کو ہم سمجھ نہ سکے۔ نتیجتاً کائنات کے تکوینی تقاضوں کے ادراک کی سکت بھی ہم میں نہ رہی علم و حکمت تجارت و صنعت تاریخ و جغرافیہ دانی میں ہم برسوں پیچھے ہوگئے کلاہ جہار ترکی کے ظاہری و باطنی روپ اُس کے درجات و مقامات سے قطعی نابلد سمجھے گئے پدرم سلطان بود کی ذہنیت پورے معاشرہ میں سرایت کر گئی جس نے پورے معاشرے کو مسموم کر ڈالا۔ ہوا و ہوس کے و نفس کے بندے بن گئے۔ نفس امارہ، نفس لوامہ و نفس مُطمئنہ کی پہچان ختم ہوگئی۔

ہمارے اعمال نفس امارہ کے تابع ہوگئے اگر کوئی فرد اس دلدل سے نکل کر

نفس لوامہ کی منزل میں داخل ہوا تو اس نے ذکر کے سہارے اپنی شخصی زندگی پوری توجہ منعطف کردی۔ ان دونوں درجات سے گزر کر اگر کوئی خوش بخت نفس مطمئنہ کا حامل بنا تو وہ ارجعی کی منزل میں کھو گیا۔ کوئی بندہ خدا عبد کی منزل میں پہنچ نہ پایا۔ یا ایھا النفس مطمئنہ کا حامل بنا تو وہ ارجعی کی منزل میں کھو گیا۔ کوئی بندہ خدا عبد کی منزل میں پہنچ نہ پایا۔ یا ایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ المرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

ہم میں فکر ختم ہوگیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علمی معیارات ختم ہوتے گئے اس کے نتیجہ میں پہچان خداوندی ختم ہوتی گئی۔ اس منزل میں کل یوم ھوا فی شان کی پہچان ہنوز دلی دور است والی بات تھی۔ نہ ہی ہم قرآن کے ساتھ ہیں اور نہ ہی حکومت کے مشکل تو یہ ہے کہ دونوں کا فرق اور دونوں پہچان بھی آج ہمارے لئے تقریباً بہت مشکل بن چکی ہے۔ چودھویں صدی میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہم ہی تھے چونکہ ہم زمانے کی پہچان سے قاصر تھے اس لئے ہم بچھڑ گئے پیچھے رہ گئے۔ قرآن پاک کی رو سے انسان زمین پر خدا کا نائب ہے۔ اسیروا فی الارض بار بار ذکر فرمایا ہے۔ صالحین وصالحات کی بڑی تعریف بیان کی گئی ہے۔ شدید ضرورت اس بات کی تھی انسان جس چیز پر نائب بنایا گیا ہے اسی کرۂ ارض کے چپہ چپہ سے واقف ہوتا ہے۔ ہمیں کبھی اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ والعادیات کی تنبیہ کو اپنی زندگی میں غور وفکر و تجزیے و تزکیہ نفس کا ذریعہ بناتے جس میں خدائے علیم وحکیم فرماتا ہے کہ انسان طبعاً اپنی ناشکری کا خود گواہ یقیناً وہ مال ودولت کی محبت میں بڑا ہی سرشار اور پکا ہے تا در متلو

تنبیہ فرماتا ہے اچھا تو وہ نہیں جانتا جب کہ زمین کے اندرونی دبی ہوئی
چیزیں کھود کھود کر نکالی جائیں گی اور سینوں کے اندر کی چھپی ہوئی باتیں
کھوج کھوج کر نکالی جائیں گی بے شک ان کا مُربّی رحمٰن و رحیم خدا ان کی
حالت سے اُس دن خوب آگاہ ہے۔ سادہ لوحی سے یہ سمجھا گیا کہ یوم
قیامت سے متعلق تنبیہ ہے جبکہ یہ تنبیہ خالص طور پر خلافت شرعی و
خلافت تکوینی کے درمیانی عرصے کیلئے انسانوں کو تنبیہ خداوندی ہے۔
جس میں قادر مطلق مال و دولت حسب نسب اور اپنے خاندانی مراتب پر
نازاں انسانوں کو وارننگ دیتا ہے کہ خبردار دیکھو ہم اپنی زمین کے خزانے
اپنے کچھ ایسے بندوں پر کھولدیں گے جنہیں تم عاجز و کمزور سمجھ رہے ہو۔
ایسے لوگوں کو عزت و شرف سے سرفراز فرمائیں گے جنھیں تم بے حقیقت سمجھتے ہو
زمین سے اُگلی جانے والی دولت ایسی بے پناہ ہوگی کہ تمہاری ساری موروثی
دولت اُس کے سامنے بے حقیقت ہوگی۔ خدا ایسے لوگوں کو علم و حکمت سے
سرفراز فرمادے گا۔ جب ان کے سینے اُبلنے لگیں گے تو تمہارا موروثی علم جس پر
تمہیں ناز ہے بے وزن ہو جائے گا۔ یہ اُبلنے والے سینے ایسے ایسے اسرار خداوندی سے پر
دے اٹھادیں گے کہ جن کے سامنے تم شرمسار ہوگے۔ غیب کے ایسے ایسے
اسرار یہ ظاہر کریں گے کہ سارے موجود عالم حیرت و استعجاب میں ڈوب جائینگے۔
رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو سال پہلے اللہ کی اس وارننگ کو
ہم تک پہنچا دیا۔ معدنیات و طبعیات الارض تانبہ اور لوہے کی طاقت کا
راز جاننے والوں نے خلافت تکوینی کی تقاضوں کی تکمیل کا پرچم بلند کیا۔ خدائے
قدوس نے ان کے سینوں کو کھول دیا۔
قدرت کے مخفی راز ان پر عیاں ہونے لگے۔ بھاپ اور برقی اور پٹرول کی

طاقت کے خزانے ان کے لئے بہادیئے گئے۔ کرۂ ارض کے چپہ چپہ پر گھوم پھرنے کے بعد انہوں نے چاند تاروں تک کو اپنے پیروں تلے روندنے کا بیڑا اٹھایا اے جماعتوں جن وانس کی بیٹھ جاؤ آسمانوں اور زمین کے کناروں پہ نہیں بیٹھ سکتے مگر غلبے کے ساتھ ان علوم قرآن کے تکوینی رموز سے گہری وقفیت نے اُمّتِ رسول ؐ کے ایک گروہ کو زمین پر تمام انسانوں سے ممیز کردیا۔ انکی نفع بخشی دن بہ دن مسلّمہ بنتی جارہی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں پس جو اوپر بے کار جھاگ ہوتے ہیں وہ تلف کردیئے جاتے ہیں جو لوگوں کیلئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین پر ٹھیرا دیا جاتا ہے۔ اب بھی ہم سنبھل سکتے ہیں۔ بہت کچھ کرسکتے ہیں بشرطیکہ ہم پیغام قرآن پر متوجہ ہوں قرآن کی یہ نوید ہے کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم (سورۂ رعد) اللہ تعالیٰ اس قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنے نفسوں کی کیفیتوں کو نہ بدلے۔ اِس آیت قرآنی میں سب سے اہم نکتہ یغیروا ما بانفسھم میں پوشیدہ ہے۔

الغرض ہم اپنے دعویٰ قیامت کے متعلق مزید چند دلیلوں پیش کرینگے آدم سے طوفان نوحؑ تک دو ہزار برس کا فاصلہ ہے طوفان نوحؑ سے پیغمبر خدا تک چار ہزار تین سو چھسٹ برس کا فاصلہ ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ موجودہ دُنیا کی عمر سات ہزار برس ہے۔ چار ہزار تین سو چھسٹ برس میں تیئس سو سال شامل کرلیں تو یہ پوری مدت چھ ہزار چھ سو چھسٹ برس ہوتی ہے جو ٹھیک آیات قرآنی کے تعداد کے برابر ہے۔ چھ ہزار چھ سو چھسٹ سال شمسی کو اگر قمری سالوں میں تبدیل کریں تو یہ پوری مدت سات ہزار برس ہوجاتی ہے۔

اسطرح ہمارے کرۂ ارض کی مجموعی عمر نو ہزار برس ہوتی ہے جو ایک دوسری حدیث سے ثابت ہے۔

موجودہ عمر کائنات کی تفصیل یوں ہے طوفان نوحؑ سے حضرت ذوالقرنین تک ایک ہزار برس کا فاصلہ ہے جس میں ایک تہائی مدت عاد کی ہے ایک تہائی مدت قوم ثمود کی ہے اور ایک تہائی مدت قوم عاد ثانی قوم عاد ثانی کی اقتدار اعلیٰ کے زمانے کے عین وسط میں بابل کا حکمران نمرود رہا۔

ذوالقرنین اور ورثاء ذوالقرنین سولہ سو برس تک زمین پر مقتدر اعلیٰ رہے۔ پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سولہ سو سال قبل سیّدنا داؤد خلیفۃ اللہ نے زمین پر اپنے اقتدار اعلیٰ کو قائم کیا۔ آپ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار برس پہلے پیدا ہوئے۔

پیغمبر خدا سے آج تک چودہ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ جس میں تیرا سو سال خلافت تشریعیہ اسلامیہ کے تھے اور گذشتہ سو سال تکوینی خلافت کے گزر چکے ہیں۔

اب انشاءاللہ المستعان مزید نو سو برس خلافت تشریعی و تکوینی کے باقی ہیں۔ (واللہ العالم بالصواب)

حدیث نبویؐ کے تجزیہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قیامت کبریٰ عالمیہ تیرا سو برس کے بعد قائم نہیں ہو سکتی تھی بلکہ پیغمبر کے بعثت کے تیئس سو سال بعد یہ کائنات پر قیامت کبریٰ قائم ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

یہاں پر ایک بنیادی نکتہ یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی حدیث کے پس منظر میں گزرے ہوئے معلوم ماضی کی مدد سے ہم آنے والے نامعلوم مستقبل کی طرف صحیح رہبری حاصل کر سکتے ہیں اور کل یوم صوفی شان کی حقیقی پہچان ہم میں پیدا ہو سکتی ہے۔ قارئین کی دلچسپی کیلئے تاریخ عالم کا ایک سرسری تجزیہ یا عالمی اقتدار اعلیٰ کا ایک سرسری جائزہ ہم عوام الناس کی واقفیت کیلئے

پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ کیونکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر ایسے علمی کی وجہ سے انسان بہت سے فائدوں سے محروم ہو جاتا ہے انسان کو اپنی ماضی کی تاریخ سے صحیح واقفیت نا معلوم مستقبل کی طرف ٹھیک ٹھیک رہبری کر سکتی ہے۔ اسی ذہنی تحفظ کے ساتھ ونیز او نچی سطح پر پائی جانیوالی چند علمی کوتاہیوں یا غلطیوں کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے جو ماضی میں دانشوروں نے کئے ایک مختصر جائزہ مرکز نسل انسانی و قیادت نسل انسانی سے متعلق پیش کرنے کی ہم کوشش کریں گے۔

خلافتِ داؤدی

ورثائے ذوالقرنین کے اقتدار اعلیٰ کے ۶۰۰ سال بعد سیدنا داؤد خلیفۃ اللہ نے خلافت ارضی قائم کی جیسا کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا داؤد انّا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض۔ وہ شرف جو گذشتہ ۶۰۰ سال تک ورثائے ذوالقرنین کے پاس تھا۔ وہ بنی اسرائیل کو حضرت سیدنا داؤد خلیفۃ اللہ کی بدولت حاصل ہو گیا۔ بنی اسرائیل شرف یافتہ بن گئے۔ مابعد موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل نے بڑی جدوجہد کی ابتدا میں ان کی جدوجہد اپنے سیاسی مرکز کے ساتھ ساتھ ان کی ساری سرگرمیاں دینی اور علمی نوعیت کی رہیں۔ ہارونؑ یوشعؑ، کالوتؑ، وحنظلہؑ شمویلؑ انبیاؤں نے ان کی رہبری وقیادت کی شمویل نبی کے زمانے میں بنی اسرائیل کو اپنی سیاسی شناخت کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے طالوت ان کے حکمراں بنائے گئے۔ طالوت ان کے حکمراں بنائے گئے۔ طالوت نے جالوت کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ اسی عرصہ میں سیدنا داؤد خلیفۃ اللہ نمودار ہوئے اور آپ نے جالوت کو کھلے میدان میں مبازرت طلب کرتے ہوئے ہلاک کردیا اور قوم بنی اسرائیل جو جالوت کی طاقت وقوت کے آگے بے بس ہوکر خوف وہراس کا مظاہرہ کررہی تھی۔ پھر سے نئی زندگی دی اور طالوت کے بعد بنی اسرائیل کے حکمران بنے جن کے خلیفۃ ارض ہونے کی تصدیق قرآن نے فرمائی ہے۔ اعلان

خلافت داؤدی کے ساتھ حکم ربانی کے آگے ورثائے ذوالقرنین نے سرتسلیم خم کر لیا اور خلافت داؤدی کے تابع فرمان ہوگئے اگرچہ وہ اُس زمانے کے عظیم ترین سلطنتوں کے مالک تھے اور بے پناہ قوت و طاقت رکھتے تھے۔

بلاد اوفیرا ور بلادِ طرسیس کے وسیع عریض ترین مقبوضات کو خلافت داؤدی کے حوالہ کر دیا۔ خود سیدنا داؤد خلیفۃ اللہ نے شہر صور تک مراجعت فرمائی جسکا حوالہ مختلف صحیفوں میں ملتا ہے کہ آپ نے شہر صور فتح کیا یہ فتح بنی اسرائیل کے شہر صور پر کامل قبضے کی شکل میں نہیں تھی جیسا کہ بعد میں سیدنا سلیمان علیہ السلام اور شاہِ صور حیرام ثانی کے درمیان ہونے والی خط و کتب سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں مملکتوں کے درمیان انتہائی خوشگوار تعلقات قائم تھے داؤد خلیفۃ اللہ کے شہر صور کی طرف مراجعت ایک فاتح کی پیش قدمی سے زیادہ ایک محترم و بزرگ و برتر حکمران کی اپنے دوست حکمران کے پاس خیرسگالی دورے کی سی تھی۔ شاہ صور حیرام ثانی وارثِ ذوالقرنین کی فرمانبرداری نے خلافت داؤدی کے ارضی غلبہ کو مکمل کر دیا تھا اور دونوں ہم عصر و برتر حکمرانوں میں بڑے خوشگوار تعلقات استوار تھے۔ مابعد خلافت داؤدی جب سیدنا سلیمانؑ نے تعمیر کا ارادہ فرمایا تب آپ نے اپنے اس عظیم ہمہ مقصدی پراجکٹ کی تکمیل کے لئے شاہِ صور حیرام ثانی سے خط و کتب فرمائی۔ فرمانِ شاہی روانہ فرمایا۔ فرمانِ شاہی کے بموجب مفہوم فرمان کا ایک جز یہ ہے۔

"آپ کو معلوم ہے حضرت داؤد کی جو مراد بیت المقدس بنانے کی تھی وہ تو لڑائیوں کی شغل سے پوری نہیں ہونے پائی۔ مگر اب میں چاہتا ہوں کہ اس کو پورا کروں۔ الا میری قوم میں صیدانیوں کی طرح لکڑی کاٹنے کے کام جاننے والے نہیں ہیں (اسلاطین ۵ ۲۰ اخبار باب 2/8) شاہ سلیمانؑ کا ایک

لطیف اشارہ تھا۔ شاہِ صور حیرام ثانی کو کہ وہ شاہ صور کا تعاون واشتراک اور ہیکل سلیمانی کے سلسلہ میں چنانچہ شاہ صور نے فوری طور پر شاہ سلیمانی کی خدمت میں اپنے وقت کے ایک عظیم انجنیر کو جو حوارام کے نام سے جاتا تھا روانہ کر دیا۔ سفر الایام ۲ پ ۲ کے بموجب حیرام ثانی شاہ صور نے ایک مردِ عارف بھیج دیا جو معدنیات کا کام اور نقاشی وغیرہ میں اُستاد تھا و نیز شاہ صور نے شاہ سلیمان سے دوستی اور خیر سگالی کے اظہار کے لئے اپنے دونوں فرزندوں کو جبل لبنان روانہ کیا۔ تاکہ وہ اپنی نگرانی میں جب کہ لبنان سے ساحل سمندر تک آزد اور سرو کی لکڑیاں کاٹ کر پہنچا دیں۔ اپنے فرزندوں کو روانہ کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو عصری تبدیلیوں سے انہیں روشناس کرایا جائے تاکہ وہ مستقبل میں موزوں و ہم آہنگ حکمت عملی اختیار کر سکیں۔

بموجب کتاب اول سلاطین ۱۸ پ ۵ سلیمان کے بناء اور حیرام کی بناء عمارت بنانے والے اور جبلوں یعنی پہاڑی آدمیوں نے لکڑی اور پتھر تراشے، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی لکھا یہ تعمیرات اپنے میں بڑی مقصدیت رکھتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بڑی بھاری مقدار میں عمدہ لکڑی جمع کر لی۔ جس سے بعد میں بڑی بھاری مقدار میں بحری بیڑوں کی تعمیر کا کام بھی لیا گیا۔ اپنی عظیم بیڑوں کے مدد سے بلاد طرسیس اور بلاد اوفیر کے مقبوضات سے بڑی سے بڑی بھاری مقدار سے سونا دیگر معاشی وسائل اکھٹا کئے جاتے۔ جس کی وجہ سے ارض فلسطین میں خوش حالی و فارغ البالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

"پھر جب سلیمان علیہ السلام نے عصیون جیبر کے مقام پر جہاز بنوایا تو حیرام ثانی شاہِ صور نے بہت سے ملاح جو فنِ جہاز رانی کو خوب

جاتے تھے بھیج دیئے (اسلاطین وہ ۲ اخبار ۸) سفر الملوک اوّل (ب ۹) میں لکھا ہے۔ پھر سلیمان بادشاہ نے عصیون جبر میں جو ایلوث کے نزدیک ہے دریائے قلزم کے کنارے پر جو ادوم کی سرزمین پر ہے جہازوں کے بحر بنائے اور حیرام نے اس بحر میں اپنے چاکر ملاح جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے سلیمان علیہ السلام کے چاکروں کے ساتھ کر کے بھجوائے اور وے اوفیر کو گئے اور کتاب سفر الایام ثانی ب۲ میں حضرت سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے نام حیلوم ثانی شاہ صور کا خطاب منقول ہے۔

"ہم جتنی لکڑیاں تجھکو درکار ہیں۔ لبنان میں کاٹینگے انہیں بیڑہ بنوا کے سمندر پر سے تیرے پاس یافا میں پہنچا دیں گے۔ مندرجہ بالا کتب سے اُس زمانے کے احوال خاص طور پر سیّدنا سلیمان علیہ السلام اور شاہ صور کے تعلقات پر بہت ہی کافی روشنی پڑتی ہے اور یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ورثائے دولت یمن اور بنی اسرائیل کے تعلقات کتنی اونچی سطح پر باہمی تعاون اشتراک اور عزت و احترام پر مبنی تھے اور تعاون و اشتراک کے کتنے شاندار نتائج برآمد ہوتے تھے۔ سفر الایام ثانی کے باب ۸ میں لکھا ہے کہ اس وقت سلیمان سمندر کے کنارے ادوم کے ملک میں عصیون جبیر اور ایلوث کو گیا اور حیرام نے اپنے نوکروں کے ہاتھ سے جہازوں کو اور ملاحوں کو جو سمندروں کے حال سے آگاہ تھے اس کے پاس بھیجا اور وے سلیمان کے چاکروں کے ساتھ اوفیر کو گئے اور وہاں سے ساڑھے چار سو قنطار سونا لیا اور سلیمان بادشاہ کے پاس لائے۔ اسی کتاب کے نویں باب میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے جہاز حیرام کے نوکروں کے ساتھ طرسیس کو جاتے اور وہاں سے ان پر تین برس میں ایک بار سونا اور روپا اور ہاتھی دانت اور بندر اور مور لا سکے لیے

بھیجے تھے۔

الغرض ورثائے ذوالقرنین نے تمام تعاون واشتراک ایک جگہ پیدا کر کے
بزرگ ہستی کے ساتھ جو زمین پر خدا کی ایک بے مثال نشانی تھی پیش کیا۔
انہیں زمین پر مقتدر حکومت کے تمام مراتب اور روایات کا بخوبی
علم تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسی علم موروثی کی مدد سے مرتبہ خلافت داؤدی کو
سمجھا اور خدائے قدوس کی اس میں کارفرما حکمتوں کا پورا پورا اندازہ کیا۔
بنی اسرائیل کے شرف کو اور اس کے پیچھے کارفرما ذہانت کو سمجھا تمام اقتدار اعلیٰ کو اپنے ہاتھ سے بنی اسرائیل
کے ہاتھوں خندہ پیشانی کے ساتھ منتقل کیا وغیرہ بنی اسرائیل سے اسی اقتدار اعلیٰ
کو ادوموں کے ہاتھوں منتقل ہوتے دیکھا شاہ صور حیرام ثانی نے سیدنا
سلیمان علیہ السلام کے فرزند ارجمند رحبعام کے زمانے میں خود دو ہو کے
دو صوبہ جات کے آپس میں قرن ارض جنگ کے بعد اپنی سلطنت کو دو قوم
علاقوں میں تقسیم کر دیا تاکہ ایک مستحکم حکومت خود اس کی اپنی اولاد کے
حصے میں رہے۔ چنانچہ اس نے اپنے خاندانی روایات کے برخلاف موروثی طریق
انتخاب شروع کیا۔ خلافت داؤدی کے اعلان سے قبل ورثائے ذوالقرنین میں
ایک عجیب وغریب اور حیرت انگیز طور پر جمہوری قسم کا طریقہ انتخاب رائج
تھا۔ مابعد خلافت داؤدی ورثائے ذوالقرنین نے اپنے تمام القاب ترک
کر دیئے اور ان سے کمتر درجے کے القاب شروع کئے خاندان کے لقب کو بھی بالکل
کمتر درجے کا کر دیا گیا۔ خود حکمران حیرام نے دیوانیات کا لقب اختیار کیا
اہل ایران حیرام ثانی کو اسی نام جانتے ہیں جبکہ بنی اسرائیل ان کے نام رحبام
ان کا شرف ظاہر ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے دیوانیات کو اس کے
نام یعنی حیرام ثانی کے نام سے مخاطب کیا جبکہ ایرانی آج تک عرب کے عوام کے

انہوں نے اپنے حکمراں کو دیوا نہایت کے لقب سے ہی مخاطب کیا۔ شاہ طہورِ طمورا سں دیوبند یا حیرام ثانی یا دیوانیات نے اپنے فرزند اول کو سبتی پور کے لقب اور بلاد ہند کی حکومت اور دار السلطنت شہر طہور عطا فرمایا تھا۔ جبکہ اس نے اپنے دوسرے انتہائی ذہین اور قابل فرزند جو بے پناہ بہادر بھی تھا۔ کو تمام مملکت کا سپہ سالار اور شاہ کابل کے شرف سے سرفراز کیا۔ جو شاہِ جمشید کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ شاہ سلیمان کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بے حد قریب رہ چکا تھا۔ جیسا کہ شاہ سلیمان سے مراسلت سے ظاہر ہے کہ شاہ طہورؔ نے اپنے دونوں فرزندوں کو بطور خیر سگالی بار یرغمال کے طور پر شاہ سلیمان کے پاس روانہ کئے تھے۔ اِس قربت سے فایدہ اٹھا کر شاہ جمشید نے لوہے اور فولاد کی ٹکنالوجی بنی اسرائیل سے حاصل کی اور جب وہ اپنے باپ کے بعد بادشاہت پر قابض ہوا۔ تب اُس نے فولاد سازی میں کمال پیدا کیا۔ اور داؤدؑ خلیفہ کے لباس آہنی کے جگہ اس نے مزید جدت کرتے ہوئے۔ جالی دار زرہ بکترہ ایجاد کیا اور اسکے زرہ بکترہ سے آراستہ سپاہی۔ شہر طہور پر حملہ آور ہوئے۔ چونکہ وہ خود شہر طہور اور اس کے تمام رازوں سے واقف تھا۔ اس لئے اس نے انتہائی سرعت کے ساتھ شہر طہور کے تمام مدافعتی دائروں کو توڑ کر سیدھے شہر طہور پر حملہ آور ہوا اور اپنے بھائی سبتی پور کو شکست دے کر شہر طہور پر قابض ہو گیا تھا۔

یہاں پر ہم برسبیل تذکرہ تاریخ کا ایک حیرت انگیز واقعہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروا ینگے دونوں واقعات میں حیرت انگیز حد تک مماثلت پائی جاتی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے آخری ایام حکومت کے

زمانے میں اپنی سلطنت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ بلادِ مغربی جس میں دارالسلطنت شہر بغداد بھی شامل تھا اپنے بڑے فرزند امین الرشید کو دیا اور مشرقی مقبوضات کو اپنے دوسرے فرزند مامون الرشید کے ماتحتی میں دیئے۔

خلیفہ ہارون رشید کے انتقال کے فوری بعد امین الرشید نے عہد و پیمان توڑ ڈالے اور اپنے بھائی مامون الرشید پر حملہ آور ہوا اور جب مامون الرشید نے جوابی کارروائی شروع کی تو امین الرشید کو نہ صرف یہ کہ اپنی سلطنت بلکہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔

تقریباً ایسا ہی واقعہ دیوانیات کے انتقال کے بعد اُس کے دوسرے فرزند جمشید اول نے عہد و پیمان توڑ ڈالا اور سبتی پور پر حملہ ور ہوا۔ تمام ملک پر اور دارالسلطنت شہر [illegible] پر قابض ہوا۔ بڑی مشکل سے سبتی پور نے اپنی جان بچائی اور بالآخر زمانے دراز کی جلاوطنی کے بعد سبتی پور نے مشرق وسطیٰ کی سب سے پُراسرار شخصیت ضحاک (کامیڈین) جس کی شخصیت پر مختلف توہمات کے پردے ڈال دیئے گئے تھے اور نسلی عصبیت کی وجہ سے ضحاک کے نام سے مشہور کر دیا گیا تھا۔ سبتی پور نے اسی ضحاک کی مدد سے جمشید اول کا خاتمہ کر ڈالا اور بلا کسی شرکت غیر کے اپنے ملک موروثی کا مشرق سے مغرب تک وارث ہوا۔ سبتی پور نے ورثہ جمشید کو بدستور شاہ کابل کے منصب پر برقرار رکھا اگرچہ کہ ان کے اختیار اور درجہ کو گھٹا دیا گیا تھا۔

سبتی پور کی جمشید اول کے خلاف فتح نے ورثہ ذوالقرنین کے اقتدار کو سہارا دیا یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہوگی۔ القاب دیوانیات جمشید، اور سبتی پور ایک قسم کی تاریخی معنویت

بھی ہے۔ مثلاً دیوا نہات کے بعد اُس کے فرزند اوّل نے اپنی ماں کے القابے اپنے لقب کومر بوط کر لیا۔ اس کے اس عمل میں بعض دیگر حقائق اور رموز بھی کار فرما ہیں۔ جبکو ہم ورثاء ذوالقرنین کے بیان میں پوری تفصیل کے ساتھ الفاظ اور اُن کے معنویت اور ان کے تاریخی پس منظر پر پوری پوری روشنی ڈالیں گے۔

سقوط بیت المقدس

حضرت موسیٰ ؑ جیسے برگزیدہ پیغمبر نے حکم پروردگار سے تمام سرزمین پر نور ایمان و توحید عرفان پھیلا دیا نیز فرعون جیسے متکبر اور زبردست بت پرست و کافر حکمران وادی نیل کو جو ایک زمانے میں خدا کے وجود کا بالکل منکر ہو گیا تھا اور خود ربوبیت کا دعویدار تھا موسیٰ ؑ نے اس کے تخت اقبال و دولت الٹ دیا اور غرق دریائے نیل کر دیا حضرت موسیٰ ؑ کے پیرو جو زیادہ تر بنی اسرائیل کے نام سے اہل کتاب کی حیثیت سے شام اور مغربی ایشیاء کے اکثر زمینوں کے مالک بن چکے تھے۔ خلافت داؤدی اور سلطنت سلیمانی کے زمانے میں پورے کرہ ارض پر ان کا اقتدار اعلیٰ قائم ہو چکا تھا۔ بنی اسرائیل کا دارالسلطنت اور اسرائیلیوں کا مذہبی اور ملکی مستقر بیت المقدس تھا جو یروشلم یا ایلیا کے نام سے جانا جاتا تھا۔

بنی اسرائیل میں تمول اور دولت مندی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ تمام دنیا کے اقوام ان کے سامنے ہیچ تھے۔ شاہ سلیمان نے خلافت تشریعی کے ساتھ ساتھ خلافت تکوینی کے تقاضوں کی تکمیل کیلئے واضح ہدایات فرما چکے تھے نیز تکوینی تقاضوں کی تکمیل کیلئے عظیم ترین ذخائر طلاء جمع کرنے نیز مشرق و مغرب کے سمندروں میں عظیم تجارتی سرگرمیوں کا آغاز کرکے قوم بنی اسرائیل کی رہبری کر چکے تھے۔

بدقسمتی سے انعام یافتہ اسرائیلی اپنے مقام و مرتبے کو قائم نہ رکھ سکے بعض محققین کا یہ خیال درست ہے کہ " یہودیوں کی نسبت یہ بیان ہے کہ گو اس زمانے میں اخلاقی برائیاں از حد پھیل گئیں تھیں مگر بوجہ موجودگی اکثر انبیائے بنی اسرائیل کے یہ لوگ نہایت صحیح اصول کے ساتھ شریعت موسوی کے پابند تھے اور بتوں کے نام سے ان کو نفرت تھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض اہم رسم و رواج انھوں نے اپنے مذہب میں بطور خاص ایک شاخ کے قائم کر لیے تھے مگر اسکا اثر نہایت خفیف تھا کیونکہ انبیائے بنی اسرائیل ان کے قلوب اور دماغوں کا تذکیہ کرتے رہتے تھے ۔ باوجود ان تمام کے بنی اسرائیل خلافت داؤدی اور سلطنت سلیمانی کی وراثت کی حیثیت سے اپنی اجتماعی عالمی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ناکام رہے و نیز بیت المقدس کی حفاظت کرنے میں بھی وہ ناکام رہے ۔ چار باران کے اقتدار اعلیٰ کو للکارا گیا ۔

خلافت داؤدی کے چار سو برس بعد بابل کے حکمران بخت نصر نے شہر بیت المقدس کو فتح کر کے اس کے شہر پناہ کی دیواریں توڑ ڈالیں مقدس ہیکل سلیمانی کو لوٹ لیا ۔

اور وہ تمام ذخائر طلاء جو بادشاہ یہودا اور شہزادگان بنی اسرائیل کا تھا اور جو عرصہ سے موروثی طور پر محفوظ چلا آتا تھا ۔ بیت المقدس میں ایک نہایت استحکام اس کے باعث یقین کیا جاتا تھا ۔ بابل کے حکمران بخت نصر نے بے دریغ لوٹ لیا ۔

بابل کا بخت نصر

دُنیا کے دیگر علاقوں کی طرح ریاست بابُل بھی بنی اسرائیل کی باجگذار ریاست تھی۔ اس ریاست کا رقبہ اور وسعت عراق و عجم تک پھیلی ہوئی تھی ملک کے حکمران خاندان کے زور سے بُت پرستی پھیلی ہوئی تھی یا سمہ معابد یہودی اس کثرت سے سرزمین بابل میں تعمیر تھے کہ گویا کہ سلطنت مذکور بنی اسرائیل کی حکومت معلوم ہوتی تھی۔ خدا پرستی اور نبوت و انبیاء کی حُرمت کا قائم رکھنا یہ ایک خاص مذہب کثیر باشندگان ملک کا تھا اگرچہ حکمران طبقہ بُت پرست تھا جو اولاد نمرود سے چلا آرہا تھا۔ ان حالات میں ایک واقعہ عجیب و غریب وقوع پذیر ہوا ایک انتہائی بیمار مُفلس و قلاش غیر معروف شخص اُٹھا جو بعد میں بخت نصر کے نام سے مشہور ہوا اور بابل کے ایوان حکومت میں داخل ہوا اور تختِ شاہی پر متمکن ہوا۔ بیت المقدس کو فتح کیا اور اپنے اقتدار اعلیٰ کا لوہا تمام اقوام عالم سے منوا لیا۔

مورخین سابق اور بعض محققین اسلام کا خیال ہے کہ یہ شخص ایک نہایت ادنیٰ قوم اور قبیلہ کا انسان تھا انتہائی بیمار و مفلس و قلاش تھا وغیرہ وغیرہ

بعض کتب تواریخ اور صحائف انبیائے بنی اسرائیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیشگاہ مَلکُ العرش سے اس زمانے کے انبیاء کو ہدایت اور حکم تاکیدی نافذ ہوا تھا کہ اس شخص کی صحت اور عافیت کے عمدہ حالت پر پہنچانے کے

واسطے دُعا کریں چنانچہ اِس فرمانِ کی تعمیل اُسکے بندگانِ مقرب نے نہایت سرگرمی کے ساتھ کی اِن انبیائوں کی دُعاؤں کی برکت سے بخت نصر کو کامل شفا ہو گئی۔

انبیاء کرام اور مقربانِ الہٰی نے اس کے لئے وہ نئی انسانی زندگی کے نتیجہ میں کوئی عمدہ نمونہ قائم کرے زراعت اور کاشت کا سامان بھی عنایت فرما زمین کھودنے اُسکو قابلِ کاشت بنانے کیلئے اُسکو ایک کدال عطا کی گئی۔ تاریخ و نیز تاریخ نسل انسانی کا ضرور ایک حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ بخت نصر نے اس کدال سے بیشتر مقامات پر کام لیا اور ہر مقام پر ایک خزانہ برآمد ہوا۔ ان پے در پے خزانوں کی برآمدگی برآمدگی با وجود اسکے پایۂ استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔

جب پہلا خزانہ برآمد ہوا وہ اس طرح کہ بموجب ہدایت انبیاء وہ اپنی نئی زندگی کو ایک عمدہ مثال بنانے کیلئے آلاتِ زراعت لیکر جنگل روانہ ہوا اور ایک موزوں خطہ اراضی کا انتخاب کرکے اس نے وہاں پہ کاشت کاری کرنا چاہی چنانچہ جب وہ جنگل کو صاف کرکے اپنی کدال سے زمین کھودنے لگا تب کسی سخت رکاوٹ کی وجہ سے اس نے کھود کر پتھر ہٹا دیا۔

اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ پتھر کے ہٹتے ہی ایک سُرنگ نمودار ہوئی جب سُرنگ کو پار کرکے آگے بڑھا تو اُسکے آگے ایک وسیع ایوان زیرِ زمین تھا۔ جو تمام کا تمام ہیرے جواہرات سونا چاندی کے بڑے بڑے ذخیروں سے معمور تھا۔ حیرت انگیز بات یہاں یہ ہے کہ اس اچانک خزانے کے پانے کے باوجود اُس کے نفس میں کوئی کیفیت یا تبدیلی پیدا نہیں ہوئی وہ نفس مطمئنہ پر جم چکا تھا۔ وہ فوری خزانے سے باہر نکل آیا اور

یہ سمجھکر یہ کسی کی امانت ہوگی اُس چٹان سے اُس کا منہ بند کر دیا۔ اِس طرح قریب کی دوسری موزوں زمین پر کھودائی شروع کی۔ یہاں پر پہلے والا معاملہ دُہرایا گیا۔ ایک دوسرا خزانہ برآمد ہوا بخت نصر نے اس خزانے کے ایوان سے بھی واپس باہر آکر اس کے منہ کو بند کر دیا اور ایک تیسری موزوں زمین کو کاشت کے قابل سمجھکر کاشت کاری کیلئے کھودائی شروع کی یہاں پہ اسکو پہلے والا معاملہ پیش آیا پھر خزانہ برآمد ہوا کہا جاتا ہے کہ بخت نصر نے اسی طرح بیس مقامات پر پے در پے کھودائی کی ادھر بار تہ زیر زمین ایوانوں میں خزانے برآمد ہوتے رہے آخرکار وہ تھک گیا اور اُس نے یہ سوچا کہ خدا کی مصلحت ہو کہ وہ کوئی اور کام کرے۔ چنانچہ وہاں سے واپس آکر خزانے سے تھوڑی رقم لیکر واپس لوٹ گیا اور ایک خوشحال بستی میں تجارت شروع کی۔ اس حیلے سے وہ بہت جلد مالدار بن گیا۔ اس کے بعد اس نے سب سے پہلے وہ زمین جس میں اسکو پے در پے بیس خزانے ملے تھے کسی حیلے سے اپنے قبضہ میں لا لیا اور اُس پہ اپنی نگرانی قائم کرلی پھر آہستہ آہستہ اُن خزانوں سے سونا چاندی نکال کر وہ شہر بابل میں تجارت شروع کی۔ اس حیلے سے وہ بہت جلد ترقی کر گیا اس نے شہر میں کئی صنعتوں کو فروغ دیا۔ بحری بیڑہ بنوا کر اپنی تجارت کو فروغ دیا اس طرح اس نے باشندگان بابل کے دل میں جگہ پیدا کرلی وہ رات دن اپنے سارے وسائل کی مدد سے لوگوں کو صنعت و حرفت میں تجارت میں روزگار سے لگاتا رہتا ساتھ ہی ساتھ ملک اور قوم کا حکمراں ملک کا بہت بڑا خیر خواہ ثابت ہوتا رہا۔ جب بھی حکمراں یا باشندگان ملک کو مالی ضرورت دفاعی مقاصد کی غرض ہوتی وہ بڑی فیاضی کے ساتھ بڑی بھاری رقمیں بہم پہنچاتا۔ اسکی نفع بخشی اتنی بڑی کہ

شاہ بابل نے میڈیا کا صوبدار بخت نصر کو مقرر کر دیا۔ وہ نیز ملک و قوم کے ساتھ اسکی خیر خواہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ولی عہد سلطنت نامزد کیا گیا چنانچہ شاہ بابل کے انتقال کے بعد وہ شہر بابل کا حکمران بنا۔ تہذیب بابل نسل انسانی کی قدیم ترین تہذیب کہلاتی ہے۔ علمی اصطلاح میں یہ تہذیب ہلالی کے نام سے موسوم ہے۔ دُنیا کے تمام مورخین اور محققین نے تہذیب ہلالی کو مرکزی تہذیب سمجھتے ہوئے اس پر تحقیقی کام کو بہت زیادہ اہمیت دی خاص طور پر مغربی محققین اور مورخین نے بابل و نینوا کے تمدنوں پر بہت کام کیا۔

اسلامی محققین میں سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تہذیب بابل کی اہمیت کو سمجھا اور اپنا دارالسلطنت شہر بابل کے قریب ترین مقام پر تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر شہر کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اگرچہ کوفہ خلیفہ دوم کے زمانے سے فوجی چھاؤنی کا رول انجام دے رہا تھا زمانے قدیم میں خلفائے بنو عباسیہ نے تہذیب بابل میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تمام اسلامی حکمرانوں کے پیش نظر شہر بابل سے متعلق انبیائے بنی اسرائیل کی پیشن گوئیاں پیش نظر تھیں جس کی وجہ سے انہوں نے راست طور پر شہر بابل کو بسانا پسند نہ کیا۔ عصر حاضر میں جرمنی اور انگلینڈ کے ریسرچ اسکالروں نے تہذیب بابل پر بے انتہا ریسرچ پیش کیا۔ اس ریسرچ انہیں بے انتہا فوائد حاصل ہوئے خاص طور پر انگلینڈ نے اپنے اس تحقیقی کام کو اپنی قومی پالیسی کے جوکھٹے میں خوب انطباق کیا۔ عصر حاضر میں دولتِ برطانیہ کی ترقی اور عروج بخت نصر کے زمانے کے بالکل مماثل تھی برطانیہ نے وہی حکمت عملی اختیار کی جو کہ بابل کے بخت نصر نے اپنی

زندگی کا لائحہ عمل بنایا تھا برطانوی تجارت اور صنعت اور حرفت اور تحقیقی اور علمی کام کو انہیں خطوط پر استوار کیا گیا۔ جن خطوط پر بخت ونصر کائنات کے تکوینی تقاضوں کی تکمیل کے لیے اپنایا جس طرح بخت ونصر نے انتہائی غربت و تنگ دستی کے باوجود بے انتہا ترقی کی انہی خطوط پر دولت برطانیہ نے عالمگیر پھیلاؤ اختیار کیا۔ جس سرزمین پر مہینوں سورج نظر نہ آتا تھا اُس کے باشندوں کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا.

اگرچہ یہاں پر اس بات کی وضاحت ناگزیر ہے قوموں اور تہذیبوں کا عروج تکوینی و تشریحی کائناتی تقاضوں کے ایک لطیف امتزاج کی بدولت ہوا کرتے ہیں عالمی اقتدار اعلیٰ کے مراکز متحرک رہتے ہیں جس طرح کہ اسلامی اقتدار اعلیٰ کا مرکز مدینۃ الرسول سے کوفہ اور پھر کوفہ سے برضا و رغبت (سیدنا امام حسن علیہ السلام مشروط طور پر اقتدار اعلیٰ سے امیر معاویہ کے حق میں دستکش ہوگئے تھے) برضا و رغبت دمشق چلا گیا اور دمشق سے ۹۰ برس بعد بغداد منتقل ہوگیا اور یہ مسلسل تاریخ نسل انسانی کے بعض قوانین فطرت کے تحت متحرک رہتا ہے۔ یہ مرکز افراد یا قوموں کا محتاج نہیں بذات خود یہ اپنے قدرتی عمل اور ردِ عمل کے قوت سے اپنا مقام بدلتا رہتا ہے جو افراد اور قومیت عالمی اقتدار اعلیٰ کے تقاضوں کو سمجھ نہیں پاتے وہ پچھڑ جاتے ہیں اور اقتدار اعلیٰ اپنے تقاضوں کی تکمیل کرتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے.

عام طور پر تحقیقی کام سے۔ افراد اور قوموں کو اپنے معلوم ماضی کا صحیح علم ہو جاتا ہے۔ جسکی وجہ سے وہ اپنے نامعلوم مستقبل کی طرف صحیح سمت سے میں رہنمائی حاصل کر پاتے ہیں۔ جن لوگوں نے تحقیقی کام کی افادیت کو نظر انداز کیا اور اپنے محققین کے کام کی قدر نہ کی وہ اکثر و بیشتر صورتوں میں خسارا پانے والے

ثابت ہوئے خلفائے اسلام بنو عباس میں خلیفہ ہارون الرشید اور مامون الرشید وزیران کے مشہور وزرار یا تدبیر یحییٰ برمکی۔ جعفر برمکی اور فضل برمکی نے اقوام قدیم اور قدیم تمدنوں پر تحقیقی کام کو بے حد آگے بڑھایا جسکا نتیجہ یہ ہوا خاندان عباسیہ کو سینکڑوں سال تک مشرق وسطیٰ میں استحکام رہا۔ بلادِ ہند میں ترک حکمرانوں نے تہذیب ہند پر تحقیقی کام کو کچھ زیادہ آگے نہ بڑھایا۔ بلادِ ہند میں ترکوں کی آمد کی صرف دو محرکات ہیں پہلا محرکہ خلفائے عباسیہ کے سپت سندھو کے مقبوضات کی حفاظت۔ امیر محمود کے زمانے سے عربوں کے ہندوستانی مقبوضات کا الحاق غزنی سے چلا آرہا تھا۔ جب غوریوں نے غزنویوں کو ختم کر ڈالا تب اُن کا تصادم ہندوستانی حکمرانوں سے ہوگیا۔ دہلی پر ترکوں کے قبضہ سے پورے عالم اسلام پر اثرات مرتب ہوئے۔ کثرت سے ترک غربار نے حصول روزگار کے لئے بلادِ ہند کا رُخ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وسط ایشیار میں توازنِ قوت معاشی اور سماجی طور پر بدل گیا جس سے فائدہ اُٹھاکر تموجن فرزند اکسائے بہادر نے جنگیز خاں کا لقب اختیار کرنے کے ساتھ منگولیہ چین خوارزم اور یوروپ کو فتح کر لیا۔ مشرقی وسطیٰ کے تمام مراکز تباہ کر ڈالے باقی کی کسر اس کے پوتے ہلاکو خاں نے ایران فتح کر کے پوری کر ڈالی۔ منگولی قتل عام سے بچنے کے لئے بڑی بھاری مقدار میں بلادِ ہند میں پناہ لی اور رفتہ رفتہ یہیں کے ہو رہے۔ مقتدر اعلیٰ بنو عباس اپنی کوتاہی کی وجہ سے اقتدار اعلیٰ اور ملک وجاں گنوا بیٹھے ان پر آشوب حالات میں جب کے منگول پے در پے بلادِ ہند پر حملے کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے شائد ترکوں کو تہذیب ہند سے واقفیت کا موقع نہ ملا لیکن اس زمانے میں بابا شیخ فرید اور ان کے دو خلفاء نظام الدین اولیاؒ اور علاء الدین علی احمدؒ کی زندگیوں کے

حالات سے یہ پتہ چلتا ہے۔ ان بزرگوں نے تہذیب ہند سے متعلق گہری معلومات حاصل کرلیں تھیں خود بابا فرید اور نظام الدین اولیاء عربی زبان کے بہت بڑے ماہر اسکالر تھے۔ تہذیب ہند پر تحقیقی کام ان بزرگوں کی وجہ سے کچھ حد تک آگے بڑھا جس کی وجہ سے علاءالدین خلجی (سکندر ثانی) اور محمد بن تغلق کے زمانے میں بہت سا تحقیقی کام ہوا۔ تہذیب ہند پر تحقیقی کام کا دوسرا روشن دور حضرت سید محمد غوث گوالیاری کے زمانے میں شروع ہوا۔ اس زمانے میں ابوالفضل۔ فیضی۔ تان سین اور نئی نسل میں دارا شکوہ۔ اور شہزاد شجاع وغیرہ نے تہذیب ہند پر زبردست تحقیقی خدمات انجام دیں۔ تہذیب بابل اور تہذیب ہند، تہذیب یونان۔ تہذیب چین، تہذیب مصر، تہذیب روم ماضی میں انسانی زندگی کے عظیم ترین تجربات کے مخزن تھے۔ عام طور پر عہد وسطیٰ میں قدیم تہذیب و تمدنوں پر تحقیقی کام کو کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھایا گیا عباسیوں اور مغلوں کو چھوڑ کر تمام حکمرانوں نے ایک حد تک اس تحقیقی کام سے زیادہ دلچسپی نہ دکھائی۔ عصر حاضر میں اہل مصر اور ایرانیوں نے کچھ ماضی بعید کی تاریخ و تمدن میں تحقیقی کام انجام دیئے۔ جس کے عمدہ نتائج سے وہ بہرور ہیں۔ آیات قرآنی کے بموجب متعدد بار اس بارے میں لطیف اشارات کیے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ متعدد بار قیامت وسطیٰ یعنی اقوام کی موت کو انتہائی تشبیہ و اشارہ میں بیان ہوئے ہیں۔ تاکہ ہم غور و فکر کریں ان قدیم اقوام کے احوال پر خوب اچھی طرح غور کریں اور ماضی کی قوموں سے عبرت و نصیحت حاصل کریں و نیز ان قوموں کی تباہی بربادی عروج و زوال سے متعلق حکمتوں پر غور کریں اور زمان قدیم کی قوموں کے عروج میں کارفرما حکمتیں عزت واقبال کے حصول کے لیئے ان قوموں کے طریقہ کار اور مسائل کا مطالعہ کریں۔

ان کے تحقیقی کام سے فائدہ اٹھائیں سورہ والفجر میں بڑی پُر حکمت باتیں اقوام قدیم کے تعلق سے بیان ہوئیں۔ اقوام عاد و ثمود اور فرعون کا ذکر کیا گیا اور پھر اعلیٰ مراتب کے حصول کے لیئے انتہائی جامع رہنمائی آیات قرآن نے کیں۔ الغرض بحیثیت مجموعی

عربوں اور عجمیوں نے اپنی امارت و حکومت کے زمانے میں ماضی بعید کی قوموں کے تہذیبی و تمدنی کی زندگی سے کے مطالعہ کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی۔ تاریخ ہند کا المیہ یہ ہے کہ آج تک بھی لفظ ہند کی معنویت یا اس لفظ کے تاریخی پس منظر سے متعلق صرف انگریز اسکالروں کے رائے پر اتفاق کیا گیا اور اس ضمن میں تحقیقی کام کو نظر انداز کر دیا گیا۔ جبکہ حقیقی صورتِ حال یہ ہے کہ لفظ ہند اپنے میں بہت بڑی معنویت اور ایک درخشاں تاریخی پس منظر رکھتا ہے۔

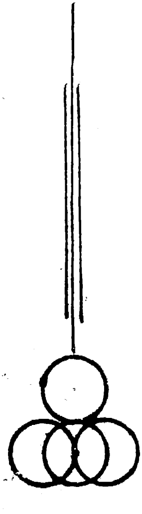

زوالِ بابل!

بخت و نصر نے شہر بیت المقدس کی تسخیر کے بعد بے پناہ سونا چاندی اور دیگر قیمتی اشیاء جو سینکڑوں برسوں سے سرزمین ایروشلم میں جمع ہوتے چلے آرہے تھے۔ مکمل طور پر لوٹ لیا۔ اور اس دولت کو شہر بابل میں اور اس کے اطراف و اکناف میں مختلف قسم کی صنعتوں کے فروغ میں لگایا جس کی وجہ سے شہر بابل کی باشندگان کی تمول میں بے پناہ اضافہ ہوا اور اس بے پناہ تمول میں انہیں راہ راست سے بھٹکایا۔ اور وہ شدید قسم کے معاشی و سماجی مصائب عوام الناس پر ڈھانے لگے خصوصاً بنی اسرائیل ان کے مظالم کے نشانہ تھے۔ بے پناہ متمول نے ان کی قومی زندگی کو کھوکھلا کر دیا۔ سادگی محنت، جفاکشی، علم و حکمت میں وہ پیچھے ہوتے چلے گئے۔ بتدریج مادہ پرستی بھی اُن میں سرایت کرنے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انبیائے بنی اسرائیل کی نظروں سے گر گئے بیشتر انبیاء نے سرزمین بابل کی عظیم تباہی و بربادی کی پیشن گوئیاں کر دیں۔ اہل بابل کو اپنے عظیم شہر اور اُس کے بلند و بالا شہر پناہ کی دیواروں اور اپنے لشکروں پر بے انتہا اعتماد پیدا ہو چلا تھا وہ اپنے شہر کو ناقابل تسخیر اور اپنے دولتوں کو بالکل محفوظ سمجھتے تھے۔ ظاہر طور پر بات بھی ایسی ہی تھی جس کی وجہ سے وہ معاشی و سماجی جرائم کرنے میں بے حد نڈر اور بے خوف ہو گئے اور اس بات سے بالکل بے پرواہ ہو گئے کہ انبیائے بنی اسرائیل کیا کہتے ہیں۔ جبکہ بابل کا سارا عروج بخت نصر کی وجہ سے تھا اور بخت و نصر انبیائے بنی اسرائیل کی دعا کا محتاج تھا۔

چنانچہ سرزمین فارس میں ایک فرد کیکاوس یا (سائرس اعظم) کے نام سے اُبھرا اور اپنی حُسن و اخلاق سے اس نے پوری سرزمین فارس اور میڈیا کا مالک بنا۔ اور بتدریج چاروں طرف سے اُس نے اہل بابل کو گھیر لیا۔ اہل بابل سائیرس اعظم کی حکمت عملیوں کا توڑ نہ کر سکے بدقسمتی سے شاہِ بابل نے اپنے ایک بہت ہی بڑے اور با اعتماد آدمی گوہر باس پر مظالم کا پہاڑ توڑا اُس کے سامنے اکلوتے لڑکے کو قتل کر ڈالا جس کی وجہ سے یہ شخص جو سلطنت بابل کا بڑا ہی ذمہ دار عہدیدار تھا۔ اور شہر بابل کے خزانوں اور شہر پناہ کی دیواروں اور شاہی محلات کے محل وقوع سے خوب واقف تھا کیخرد سائرس اعظم سے آن ملا سائرس نے اس کی بہت بڑی دلجوئی کی۔ اور بڑی کوششوں کے بعد اس سردار کے ملانے میں کامیاب ہوا۔ اگرچہ کہ فتح بابل میں اس سردار کا عملی طور پر کوئی خاص رول نہیں تھا۔ لیکن جب کے خسرو کی فوجیں دریا کی راہ شہر پناہ میں داخل ہوئیں تو اس نے شاہی لشکر کو شاہِ بابل کے محلات اور ایوانوں خزانوں تک آن کی آن میں پہنچا دیا۔ ہوا یوں کہ کئی سال کے محاصرے کے بعد سائیرس اعظم تسخیر بابل کی راہ یوں نکالی کہ اس نے دریائے فرات کو شہر بابل سے کئی میل اُدھر کاٹ کر دریا کا رُخ موڑ دیا۔ پہلے خشکی میں نہر نکالی گئی اور جس دن شاہِ بابل و باشندگانِ بابل جشن عید مناکر خوب جام دمئے لنڈا کر نشے کی حالت میں بدمست و مدہوش تھے عین اُس وقت کیخرو سائیرس اعظم نے دریائے فرات کا دھارا دوسری طرف موڑ دیا۔ نتیجتاً پہلے سے بنائی ہوئی نہروں میں دریائے فرات دوڑنے لگا۔ جب دریا کی راہ خالی ہوئی۔ دریا کے دہانے پر بنے ہوئے دروازے کھلے پڑے رہ گئے۔

سائیرس نے اس موقع کا بجلی کی سرعت کے ساتھ فائدہ اُٹھایا۔ بعد چند ہی منٹوں میں شہر بابل میں داخل ہوا۔ جب باشندگان شہر بابل کو سائیرس اعظم کی لشکر کی شہر میں داخلے کی اطلاع ملی تو ابتدا میں وہ اس پر یقین نہ کر پائے۔ بالآخر جب

انہیں یہ یقین ہو چلا کہ دشمن شہر میں داخل ہو گیا۔ تب وہ اپنے اپنے رشتہ داروں کو اطلاع دینے کے لئے اِدھر سے اُدھر دوڑ رہے تھے۔ یہ عجیب و غریب صورتِ حال تھی۔ پورے شہر میں نفسا نفسی کا عالم پھیل گیا بیشتر چوراہوں پر دشمن کے شہر میں داخلے کے امکانات پر بحث و مباحث ہو رہے تھے جبکہ سائرس اعظم کی فوجیں خود شاہِ بابُل کے وفادار سردار کی قیادت میں سرکاری خزانے لوٹ رہے تھے۔

شہنشاہ کیکاوس نے اہلِ شہر بابُل کے تمام خزانے لوٹ لئے۔ یہ وہ خزانے تھے۔ جو زمانہ نمرود سے مملکت بابل میں نہایت محفوظ چلے آتے تھے۔ اس کے علاوہ بعل مندر پوری طرح توڑ کر خاک میں ملا دیا۔ باقی کی جو کسر تھی سائیرس اعظم کی جانشین دارا دوم نے پوری کر ڈالی بابُل کی فصیل توڑ ڈالی اور پورے شہر کو ویران کر ڈالا ابتدا میں سائیرس اعظم نے شہر بابل ہی میں قیام کیا لیکن بعد میں قیام کیا لیکن بعد میں اس کے جانشینوں نے یہاں پر اپنا قیام پسند نہیں کیا۔ اکثر پارسی پولیس سُوسہ وغیرہ شہروں میں رہتے تھے۔

جدید محققین نے شہر بابل پر بے حد ریسرچ کیا اور اس بات کو ثابت کیا کہ شہر بابل کا اقتدار اعلیٰ مکمل تھا نیز انہوں نے ثابت کیا شہر بابل میں پایا جانے والا وہ قومی نشان بذاتِ خود اس بات کی علامت ہے کہ حکمران بابل اقتدار اعلیٰ کا دعوی دار تھا۔ شہر بابل کے کھنڈروں میں ریت کے ٹیلے پر پایا جانے والا قومی نشان ایک ببر اور عورت پر مشتمل ہے۔ جس میں دکھلانے کی کوشش کی گئی کہ ببر عورت کے ساتھ باہم مجامعت کرنے کی کوشش کر رہا ہے اگرچہ بابل کے سنگ تراشوں کو عورت اور ببر کی مجامعت کی ظاہر شکل پیش کرنے میں سخت ناکامی ہوئی وہ کامل طور پر عورت اور ببر کو باہم مجامعت کرتے ہوئے بتلانے میں ناکام رہے۔ جبکہ ورثاء ذوالقرنین انسان کے بعد سب سے اشرف جانور کو ایک

عورت کے ساتھ باہم مجامعت کرتے ہوئے کامل طور پر پیش کرنے میں بڑی عمدگی کے ساتھ کامیاب رہے۔ بابل کے فنکاروں نے اپنے اس کمزوری کو یوں ڈھانکا کہ انہوں نے ایک ہی مجسمہ میں دو تصوّرات پیش کئے پہلا تصوّر یہ تھا کہ ببر عورت کے سر پر انتہائی چاہت کے سر رکھا ہوا ہے اور دوسرا تصوّر بے ہنگم طریقے سے ایک عورت کو ببر کے نیچے لیٹا دیا گیا۔ جس سے اُن کی فن سنگ تراشی میں کمتر مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ ورثاء ذوالقرنین شاہان بابل نے اپنے اقتدار اعلیٰ کے اظہار کے لئے ایسے نشانات بنائے جن کا مطلب یہ تھا کہ ببر کی نقل میں بامعنیٰ حکومت اور عورت بامعنیٰ رعیّت کے باہم مُجامعت کو حکومت اور رعیت کے گہرے ارتباط کو ظاہر کیا گیا عام طور پر مُقتدر اعلیٰ حکمرانوں نے ایسے نشانات بنائے۔ ورثاء ذوالقرنین نے انسان کے بعد سب سے زیادہ شرفیافتہ جانور کو اپنے قومی نشان کے طور پر استعمال کیا جانور اور عورت کے کامل وصل کو بڑی خوبی سے ظاہر کیا جبکہ اہل بابل قطعی طور پر ایسا کرنے میں ناکام رہے۔

زوال بابل کی ایک بنیادی وجہ اُن کی باوجود تمام تر کمالات کے اونچی سطح پر علمی کمزوری تھا وہ اپنے جدّاعلیٰ بخت ونصر کے مرتبے کو سمجھنے میں یکسر ناکام رہے اور تعیش پرستی نے انھیں بتدریج لاپرواہ کر دیا۔ بیت المقدس کے اقتدار اعلیٰ پھر شہر بابل کے طویل ترین زمانے میں ورثاء ذوالقرنین پوری طرح مفلس و قلّاش ہو گئے انہوں نے بدلے ہوئے زمانے سے اپنے آپ کو پوری طرح ہم آہنگ کر لینے میں کوتاہی برتی یہاں پر یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے علماء اور دانشوروں نے اُنہیں بروقت آنے والی تباہیوں سے متنبہ کر دیا و نیز اُس سے بچنے کے لئے نئی راہیں بھی دکھلائیں۔ پدرم سلطان بود والی بات یہاں پر بھی صادق آئی۔ انہوں نے اپنے خیرخواہوں کے مشوروں کو بُری طرح نظر انداز کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

شہر صُور ویران ہوگیا اُس کے معاشی وسائل ختم ہوگئے ساری رونق جاتی رہی
چنانچہ اپنی اس فاش غلطی کے بعد شاہ صور نے پھر سے اپنے خیر خواہوں سے رجوع کیا
اور وہ ورثاء ذوالقرنین سے اپنی ازلی بے پناہ محبت اور خلوص و یکجہتی کے تحت وہ
پھر سے شاہ صور کے اطراف جمع ہوئے ان سب نے ملکر ایک نئی خارجی و معاشی
حکمت عملی اپنائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر بابل مشرقی سمندروں میں اپنی تجارتی
سرگرمیوں کو جاری نہ رکھ سکا۔ اور شاہ صُور نے ایسی طاقت و توانائی مشرقی
سمندروں میں اپنی گرفت مضبوط کرکے پیدا کرلی کہ اہل بابل اس کے سامنے سرنگوں
ہوتے گئے کیوں کہ ان کی ساری معاشی و تجارتی سرگرمیوں کا دار و مدار مشرقی سمندروں
پر تھا۔ ورثہ ذوالقرنین کا صرف تجارتی مفادات کیلئے شاہ صور کے آگے جھک جانا
ایک عجیب و غریب صورتحال تھی جس کی انھیں بھیانک سزا بھگتنی پڑی۔ یہ واقعہ
خلاف امر رب تھا۔ چنانچہ ایران کا ایک چرواہا جو سائرس اعظم کے نام سے اُبھرا
اس نے دولت بابل کو شکست و نابود کرڈالا۔

سائیرس اعظم کے خسرو

سائیرس اعظم کی ابتدائی زندگی نہایت ہی پاک و صاف و عمدہ زندگی تھی وہ اپنے دوستوں کا بے حد خیر خواہ مربی اور غمگسار تھا۔ عوام الناس کے لئے مخیر انسان تھا مال و دولت جمع کرنے کی اس کو ہرگز طمع نہ تھی۔ زینوفن مورخ لکھتا ہے کہ کیکاوس ایرانی ایک نہایت دانش مند سنجیدہ رحم و کرم اور ہر قسم کے اعلیٰ درجہ کی شاہی اوصاف اور حکیمانہ قابلیتوں اور اوصاف کا مجموعہ تھا۔ یہ بات مشہور عالم تھی کہ اس کی دولت مندی اور حشمت اور تموّل کے اُس کی عالی حوصلگی اور سرچشمی اور مناسب فیاضی بہت بڑی ہوئی تھی۔ اُس کو ہر وقت عام طور سے لوگوں کو نفع پہنچانے مصیبت زدہ اشخاص سے ہمدردی کرنے اُن کا دکھ درد بانٹنے میں شرکت کرنے میں ایک نہایت دل آویز' انکساری اور عاجزی ظاہر کرنے کے کوئی اور مشغلہ اس کی زندگی میں بہت کم نظر آتا تھا۔ اگرچہ اُس کے پاس سوپس۔ آسیریا۔ اور سلطنت بزرگ بابل کے خزانے و دفائن کا وہ مالک تھا۔ اُس کا خیال یہ تھا کہ اُس کی دولت اس کی ذاتی ضرورتوں کی نسبت عزیزوں ماتحت سرداروں اور دوستوں کی رفع حاجات و ضروریات پوری کرنے کیلئے زیادہ موزوں ہیں۔ چنانچہ اسی پس منظر میں اہل میڈیا میں یہ خیال پروان چڑھا تھا کہ انہوں نے اپنی اور اپنے سرداروں اور تمام معززاور ہر طبقہ کے چھوٹے بڑے کی جانیں کیکاوس کے اختیار میں دیدی تھیں۔ یہ لوگ صرف اس کی خوشی کے لئے اپنی جانوں کو نیست و نابود کرنے کیلئے تیار ہو جاتے۔ چنانچہ اپنے اس ہر دل عزیزی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرق وسطیٰ میں ایک

ت کی بنیاد رکھی بعض محققین کے بموجب پانچسو اڑتیس ۵۳۸ قبل مسیح میں وہ شہر
فض ہوا۔ انبیائے بنی اسرائیل کی پیشن گوئی مثلاً حضرت اشعیاء نبی نے کی
دری ہوئی. یہ فتح سلطنت بابل کے ایک معزز سردار گوہر باس کی وجہ سے
ابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

مورخین و محققین نے اپنی کتابوں میں ایک دلچسپ مکالمہ اپنی کتابوں میں نوٹ
تے ہیں کہ "یہ واقعہ فتح بابل سے قبل کا ہے یعنی جس وقت گوہر باس مع اپنی
ج کے لشکر ایران میں آکر شامل ہوا تو کیکادس نے یہ حکم اپنی فوج کو نافذ
ا کہ جہاں تک انسانی طاقت میں ممکن ہے گوہر باس کی خاطر تواضع کی جائے
ر وعدہ اس بات کا میرے سامنے کر لو کہ تسخیر و فتح بابل کے بعد دیوتاؤں
سے جس قدر لوٹ حاصل ہو وہ گوہر باس کو دیدی جائے گی چنانچہ ان احکام
ی کی گئی اور بعد فتح بابل کے دیوتاؤں کی مندر سے جس قدر لوٹ حاصل ہو وہ
س کو دیدی جائے گی چنانچہ ان احکام کی بخوبی تعمیل کی گئی اور بعد آسیریا بابل
برہ نے اس حکم کیکادس پر یہاں تک رضامندی ظاہر کی کہ ایک سردار اور
انی نے گوہر باس کو متوجہ کر کے کہا جو کچھ ہمارے شہنشاہ نے حکم دیا ہے وہ
ہمدردی سے لبریز ہے اور جب تک ہمارے اختیار میں ہماری جان ہے
ے ایسا ہی کریں گے اور مناسب فرمان کی بدل و جان تعمیل کریں گے۔

اے گوہر باس! تو ہماری نسبت یہ خیال کرتا ہو گا کہ ہم اہل ایران
محتاج ہیں کیوں کہ ہم لوگ اپنے ملک سے سکہ ہائے طلائی یعنی اشرفیوں
ہر سے لدے ہوئے نہیں آئے۔

مناصب اور شراب نوشی اور معتدل عیش و مسرت اور شاد کامی کچھ
جام و پیالے پر منحصر نہیں ہے. اگر اس سے سرخوشی اور تفریح منظور

ہو تو مٹی کے پیالوں میں بھی یہی ممکن ہے۔

یہ بات تم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے یہاں کے "دانشمندوں کا قول ہے انسان روپے سے عالی ہمت اور مستحکم نہیں ہو سکتا بلکہ عقل اور استحکام قلب سے ایسا لازوال فائدہ اسکو پہنچتا ہے جو لازوال ہوتا ہے جو صرف دولتمندی سے انسان کو کوئی وقعت نہیں حاصل ہوتی۔ بلکہ اس کو اپنی دلی قوت میں اس قسم کی خاصیت جس سے عام کو آسائش ہو فیاضی اور ہمدردی کے واسطے پیدا کرتی چاہیئے"۔

الغرض کیکاوس شہنشاہ ایران نے باشندگان آرمینہ کو جو سلطنت بابل کی ایک قسم کی قوت بازو تھے اور سلطنت میڈیا کے رعایا تھے اپنا بالکل تابع فرمان بنالیا تھا۔ اور بلاد میڈیا کے بہت سے باغی فوجی سرداروں میں بھی سائیرس اعظم نے اپنے سامنے لائیے۔ دیگر سرزمین کنعان کے بیشتر باشندوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جو بڑا اثر و رسوخ ثروت و قوت رکھتے تھے ان سب کی مشترکہ یلغار نے اور سائیرس اعظم کی دانشمندی نے سلطنت بابل کی بنیاد اکھیڑ دی تسخیر بابل کے ساتھ ہی سائیرس اعظم کا عالمی غلبہ مسلّمہ ہوگیا وہ پورے مشرق وسطیٰ کا سب سے طاقتور حکمراں بن بیٹھا۔

زوال بابل میں جہاں اور بہت سی بدعقیدت مندیوں کو دخل تھا وہاں پر ایک اہم نکتہ اہل بابل کا اپنی ذمہ داریوں سے کوتاہیاں بھی تھیں۔ ہوا یہ کہ اہل بابل بحیثیت مقتدر اعلیٰ طاقت کے عالمی معاملات کو سلجھا نہ سکے یہ وہ دور تھا جبکہ عالمی صورتحال مہابھارت کی عظیم جنگ کے بعد بے پناہ تباہ و تاراج تھی۔ اگرچہ اس جنگ کا راست فائدہ اہل بابل کو پہنچ چکا تھا اور عالمی سیاست میں ان کا رسوخ اپنے انتہائی بلندیوں تک پہنچ چکا تھا۔

اہل ہند کی بندرگاہ دوارکا پوری کی قدرتی تباہی کے بعد یہ پوری طرح

عالمی تجارت پر قابض ہو چکے تھے لیکن وہ اپنے مفوضہ فرائض کی ادائی میں پیچھے ہو گئے اصنام پرستی اور ستارہ پرستی بے حد بڑھ چکی تھی علم نجوم و فلکیات میں ان کی دلچسپی غلو کی حد تک بڑھ چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے اقتدار اعلیٰ کے تقاضوں کو پورا کرنے میں بالکل ناکام ہو گئے۔ بات یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اپنی دولت کے گھمنڈ میں اقتدار کے بقاء اور ارتقاء اور اس کے دفاع سے غافل ہو چکے تھے۔ نتیجتاً سائیرس آعظم کے ہاتھوں ختم کر ڈالے گئے۔

سائیرس اعظم نے نہ صرف یہ کہ موجودہ پورے مشرق وسطیٰ کے علاقوں پر قبضہ کیا بلکہ اس نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے بلاد ہند کے علاقے سبت سندھو پر بھی قبضہ کر لیا جو بعد میں ایرانی ساسانی سلطنت کی زوال کا بنیادی سبب بنا۔ درئناء سائیرس اعظم نے بلا سوچے سمجھے دارا کا لقب اختیار کر لیا اس لقب کے اختیار کرنے میں اُن کی غیر دانشمندانہ حکمت عملی کارفرما تھی۔ دوسرے یہ کہ وہ فریق ثانی کی موروثی رسوخ کو ختم کر دینا چاہتے تھے جس کی وجہ سے انھیں فائدہ پہنچ رہا تھا۔ سبت سندھو کا بلاد ہند سے کٹ کر مشرق وسطیٰ کی سیاست سے جُڑنا ایک بہت بڑا تاریخی المیہ بلاد ہند کیلئے فوری طور پر تھا۔ جس کی وجہ سے بلاد ہند کی پوری معاشی حیثت ترکیبی بدل گئی بلاد ہند کے پورے معاشی مراکز اور عوام الناس اس سے متاثر ہوئے۔ خود مشرق وسطیٰ کیلئے سبت سندھو کا الحاق اُس کے طویل مدتی مفادات کیلئے زہریلا حل ثابت ہوتا رہا۔ اہل بابل نے جو ایرانی شہنشاہوں کے ماتحت تھے بہت جلد پھر سے رسوخ پکڑا۔ اور بلا شرکت غیر بحیرہ عرب کی ساری تجارت پر غلبہ پا گئے۔ نتیجتاً انہوں نے اپنے دولت و اثر اور رسوخ کے سہارے شاہان ایران کے خلاف تمردّی اختیار کی اور بالآخر باغی بن گئے۔ چنانچہ دارا دوم نے اہل بابل کے خلاف بڑی خوفناک جنگ لڑی ایک طویل محاصرے کے بعد ایک دفادار سردار زو قارس کی

مدد سے اس نے شہر بابل پر قبضہ کیا یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے دارا
دوم شہنشاہ ایران اور نو فارس کا واقعہ بلاد ہند کی ایک کمیاب کتاب تاریخ تنتر
جو مشرق وسطیٰ کے ممالک میں کلیلہ و دمنہ کے نام سے مشہور ہے میں کے واقعے کے ہو بہو
نقل ہے۔ پورا واقعہ کلیلہ و دمنہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ کس طرح
شاہ نے اپنے وزیر باتدبیر کے تدبر و سیاست سے طاقتور دشمن کو شکست فاش دی
بعد تسخیر بابل دارا دوم نے شہر پناہ کی دیواروں کو توڑ ڈالا اور اس کے باشندوں
کو اطراف ملک میں بکھیر دیا۔ ہر وہ امکانی کوشش کی گئی جو اہل بابل کے حوصلوں کو
پست کرنے کا باعث ہو لیکن شہر بابل کے محل و قوع نے شاہان ایران کے عزائم
کو پست کر ڈالا اور یہ شہر رفتہ رفتہ پھر سے آباد ہونے لگا شاہان بابل نے جو
تخت نصر کے وارث تھے۔ اپنے آخری ایام حکومت کے دوران مہر کی پوجا شروع کر دی
یہ عجیب و غریب رویہ تھا۔ جو بخت نصر کے وارثوں نے اختیار کیا تھا۔ درحقیقت
مہر ایک خاص قسم کا نشان تھا جو چار سفید گھوڑوں اور رتھ پر مشتمل تھا۔
قرآن حکیم میں سورہ سبا میں ملکہ بلقیس سبا کے ذکر میں بھی سورج کی پرستش
کا ذکر ہے۔ اور اس پرستش کے خلاف ملکہ بلقیس سبا کی سرزنش بلواسطہ کی
گئی ہے۔ الغرض شاہان فارس اپنے ایام حکومت کے زمانے میں دوستانہ روش
اختیار کرتے ہوئے ورشا ذوالقرنین سے مصالحت اختیار کر لی۔
چنانچہ ورشا ذوالقرنین نے انھیں ساتانی تسلیم کر لیا یہ عجیب و غریب لقب تھا۔
جو بڑا ذو معنیٰ تھا۔ شاہان فارس کی نظر میں اس کے معنیٰ برابر والوں کے تھے یعنی
برابر والا اگرچہ اس کے دوسرے معنیٰ بھی ہوتے تھے۔ خفیف سی تبدیلی کے ساتھ
الغرض شاہان فارس زیادہ عرصے تک ایک مضبوط و مستحکم حکومت برقرار نہ رکھ سکے۔ بابل کا
شہر پھر سے آباد ہو گیا۔ پھر سے تجارتی و علمی سرگرمیوں کا آغاز ہوا اور اس سے بالواسطہ طور پر اہل
یونان کو بے حد فائدہ پہنچا۔

اہلِ یونان

سقوط بیت المقدس کے بعد کثرت سے اہل علم و دانشوروں نے بحرۂ روم کے جزائر کا رخ کیا کیوں کہ شاہان بابل سے بچنے کیلئے یہ جزائر بہت ہی موزوں ترین مقامات تھے۔ جن کے عقب پر یورپ کے وسیع ترین علاقے تھے چنانچہ دانشوران بیت المقدس نے جزائر۔ یونان میں چھوٹی چھوٹی آزاد خود مختار ریاستیں مقامی عوام کے تعاون سے قائم کرائیں۔ اور انھیں علم و حکمت سے ایسے سنوارا کہ یہاں پر ایک جمہوری فضاء قائم ہوئی۔ ایک صحتمند سماج پیدا ہو جس میں انسانی اقدار خوشگوار ماحول میں پرورش پاسکیں اور بقاء و ارتقاء کے اونچے منازل تک پہنچ سکیں۔ بڑے بڑے حکماء نے اس سرزمین پر پیدا ہوئے سقراط، بقراط افلاطون ارسطو وغیرہ وغیرہ۔ اہل علم کے یہ مسکن بہت جلد اونچے علمی معیارات تک پہنچ گئے جب ورثاء سائیرس اعظم نے اپنے موروثہ اعلیٰ کے نصب العین کے قطع نظر کرتے ہوئے اندھی تقلید میں داراء کا لقب اختیار کیا تو اُس وقت دانشوران یونان نے اہلِ فارس کی علمی جھول کو پہچان لیا اور اس کے جواب میں ایک مقتدر اعلیٰ ریاست کے خواہاں ہوئے چنانچہ فکری ارتقاء نے اپنا رنگ دکھلایا حکمران یونان نے عظیم علمی پس منظر بن سکندر کا لقب اختیار کرنا شروع کیا اگرچیکہ وہ فوری طور پر عالمی اقتدار اعلیٰ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے متحمل نہ تھے۔ لیکن انہوں نے بہت ہی عزم و حوصلے کے ساتھ اس تحریک کو ایک قومی تحریک

قرار دیدی چنانچہ تاریخ یونان میں سکندر اوّل سکندر دوم اور سکندر سوّم کا وجود اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ یونانی اپنے عزم و ارادے میں کتنے پکّے تھے انھوں نے جہدِ مسلسل کے ذریعہ انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی ایک اعلیٰ نصب العین کو اپنے پیشِ نظر رکھا اور بالآخر وہ سکندر سوم مقدونی کے زمانے میں وہ اپنے اعلیٰ و ارفع مقصد میں کامیاب ہوئے اور سائرس آعظم کے جانشین دارا سوم کو شکست فاش دیکر مقتدر اعلیٰ حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے سکندر سوم مقدونی کی فتوحات کا خاص طور پر جائزہ لیا جائے تو اُس سے اُس زمانے کے دانشوروں کے علم و تدبر کا اندازہ ہوتا ہے و نیز سکندر اعظم کی پیش قدمی سے اہل یونان کے ذوالقرنین کی شخصیت سے کامل واقفیت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔
ارسطو جیسے عظیم دانشور کے زیر سرپرستی سکندر آعظم مقدونی نے اپنی دانش میں وہ بیشتر علاقے فتح کرلیے جو کہ حضرت ذوالقرنین نے فتح کیے تھے۔

جب سکندر اعظم مقدونی واپس شہر بابل پہنچا تب شہر بابل میں سکندر آعظم مقدونی کی دلچسپی بے انتہاء عروج کو پہنچی اُس نے اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ ایک عظیم الشان شہر، شہر بابل کے کھنڈروں پر بسانا چاہا۔ کام شروع کردیا گیا وسائل وقف کردیئے گئے لیکن عمر نے سکندر آعظم مقدونی کا ساتھ نہ دیا۔ سکندر آعظم مقدونی صرف چھ ۶ سال تک مقتدر اعلیٰ حکمران کے بقید حیات رہے اور عین نوجوانی کے عالم میں بتیس ۳۲ سال کی عمر میں شہر بابل میں وفات پاگئے۔ سلیوکس یونانی ان کا جانشین ہوا۔ یہاں پر اس بات کا ذکر بے حد کارآمد ہوگا کہ اہل ہند اور اہلِ یونان میں بہت قریبی دوستانہ تعلقات اور تعاون و اشتراک تھا۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ بخت نصر کے اقتدار اعلیٰ کے زمانے میں اہل ہند اپنے تمام تر تجارت کا رُخ ملک یمن سے ملک شام کی طرف موڑ چکے تھے۔ تمام ایشیائی

برآمدات قبیلے قریش تجار کے وسیلے سے سرزمین شام تک پہنچتے تھے۔ جب بخت نصر کے جانشینوں نے اہل ہند سے دوستانہ تعلقات قائم کئے اور ہند کے تاجروں کو اپنے ملک تک پہنچنے کی سہولت دی تب اہل ہند کے روابط باشندگان شہر بابل سے قریب تر ہو گئے۔ اور اہل ہند کی طرح اہل بابل نے بھی ہندستانی تاجروں کی تقلید میں بعض دیوی دیوتاؤں کی پوجا شروع کردی لعل کا عظیم مندر اسی پس منظر میں بنا تھا۔ اور متعدد دوسرے منادر بھی سرزمین بابل پر بنائے گئے۔ زوال بابل کے بعد اہل فارس کے عروج نے ان تمام تجارتی سرگرمیوں کو متاثر کر دیا تھا۔ جو اہل ہند اور اہل مغرب کے درمیان مشرق وسطیٰ کے ممالک کے ذریعہ ہوا کرتے تھے۔ جو کچھ تجارت ہوتی تھی اس پر اہل فارس کا غلبہ تھا۔ یہ بات اہل مشرق اور اہل مغرب کیلئے سوہان روح سے کمتر نہ تھی۔ بڑا بھاری نفع اہل فارس کو اس سے پہنچتا تھا۔ لیکن اس سارے نفع سے اہل فارس وسط ایشیاء کے قبائل سے جنگ و جدال کے بدولت پوری طرح منفعت حاصل نہ کرپاتے بالآخر ان کا معاشی تعاون و اشتراک اتنا بڑھا کہ انھوں نے ایک دوسرے سے علمی معاملات اور سیاسی منصوبہ بندیوں میں تعاون و اشتراک کیا چنانچہ اہل یونان بڑے قریبی تعلقات اہل ہند سے کرپائے۔

سکندر آعظم کی فتوحات اور اس کی پے در پے کامیابی تو دسکندر آعظم یونانی کے خط شاہ فارس دارا سوم کے نام اس بات کا غمازی ہے کہ وہ اہل ہند سے قریب تر تھے اور اہل فارس کی شکست و ریخت میں اہل ہند کا بھی بالواسطہ ہاتھ کارفرما تھا۔ جیساکہ بعد کی حکمت عملیوں سے اس دعویٰ کی صداقت کو تقویت پہنچتی ہے سلیوکس جانشین سکندر آعظم نے چندرگپت موریہ نامی ہندستانی ڈپلومیٹ کو نہ صرف یہ کہ اپنی دختر سے شادی کردی بلکہ افغانستان اور موجودہ پاکستان کے تمام تر علاقے

جہیز میں دے دیئے۔ شادی تو صرف ایک حیلہ تھی جس کی آڑ میں ہند و یونان کی مشترکہ خارجی حکمت عملی کو دونوں کے طویل مدتی مفادات کے مقصد سے عملی جامہ پہنایا گیا۔ کیوں کہ دانشوران اہل یونان اس حقیقت سے واقف تھے۔ بکٹریا افغانستان اور سبت سندھو کے علاقے ہی اصل میں شاہان فارس کی طاقت کا اصل ذریعہ تھے چنانچہ اس مقبوضات کو مملکت ایران سے علحدہ کر کے ایک بہانے کے ساتھ اہل ہند کو واپس لوٹا دیئے گئے تھے تاکہ اہل فارس اپنے عقب پر ایک طاقتور ہندستانی مملکت کی وجہ سے مغرب کے علاقے میں بحرۂ روم اہل یونان و یورپ پر غیر ضروری دباؤ نہ ڈال پا سکے۔ اور ایرانی غلبہ بحرۂ روم میں کمزور پڑجائے اس مقصد کے حصول کے لیۓ اور ایران کو دائمی طور پر کمزور کر دینے کے مقصد سے بکٹریا (افغانستان) سبت سندھو (پاکستان) کے علاقے اہل ہند کے حوالے کردیئے گئے۔ اور ایک خوشگوار دوستانہ فضاء ایسی پیدا کی گئی جس بدولت ان علاقوں میں ایک مشترکہ تہذیب و تمدن گاندھرا کلچرل وجود میں آیا۔ اہلِ ہند اور اہل یونان کے درمیان تمام تعاون واشتراک کا بنیادی وسیلہ سر زمین بابل تھا۔

الغرض تہذیب بابل تہذیب ہند کا ایک عکس تھی جس نے سینکڑوں برس تک مشرق وسطیٰ کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کیئے۔

73
2-90 MAY 1990

Gualm Kabbani

M. A. B. Ed. (Osm)